کشف الغشاء

عن اوقات

الفجر والعشاء

﴿صبح صادق وکاذب اور وقت عشاء کی تحقیق﴾

مؤلفہ: مفتی محمد رضوان صاحب

کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

از قلم: مولانا شوکت علی قاسمی

0321-9890583

آئینہ کتاب

عنوان	صفحہ نمبر

پیش لفظ 9
اسلوب ونہج 11
معذرت 12
گزارش 12

حصہ اوّل

تمہید 15
فجر دراصل ''صادق'' ہی ہوتی ہے 17
مقصد 18
طریقہ استدلال: 19
کامل لیل اور ناقص لیل 25
رسم ناقص وحد تام 27

عنوان	صفحہ نمبر

صبح صادق کے اول طلوع کا اعتبار............................... 29

جدید تحقیق سے ثابت ہے.. 33

حصّہ دوم

تفصیلی نقد وتبصرہ

سوال نمبر (۱) 40

تبصرہ.. 42

صبح صادق وکاذب کی حد تام ورسوم ناقصہ وتعبیرات مختلفہ............... 45

حد تام اور رسوم ناقصہ کی اصطلاح.. 48

لفظ ''حتیٰ'' اور اس کی وضاحت.. 51

کتاب مذکور کی تاویلیں:.. 60

اذان بلالؓ اور صبح کاذب.. 61

اختلاف کس چیز میں؟.. 65

''الفجر فجران'' سے استشہاد.. 65

صبح صادق کی بیاض، معترض اور اس کی صفت مستطیر یعنی منتشر ہے،......... 70

صبح صادق وکاذب کے بارے میں رسوم ناقصہ اور ان میں تطبیق.............. 71

معارضہ:... 73

عنوان	صفحہ نمبر

تطبیق کا معنی 76

کتاب مذکور کی تطبیق؟ 77

فجرین کے درمیان وقفہ 86

وہ اقوال جن میں مطلق زمانے کا تذکرہ پایا جاتا ہو 86

دوسری قسم وہ اقوال جن میں زمانہ یسیر مذکور ہو 87

تیسری قسم جن میں بہت زیادہ وقفہ مذکور ہو 90

چوتھی قسم جن میں وقفہ کم وبیش ہوتا رہتا ہو: 90

کیا یہ ممکن نہیں؟ 92

تفصیل: 93

خلاصہ کلام 96

قول نمبر۳ کی مزید تفصیل 96

علامہ شامی کے حوالے میں احتمالات 101

علامہ ابن حجر الہیثمیؒ کا حوالہ 105

تبصرہ: 110

کیا صبح کاذب بروجی روشنی ہے؟ 119

تمہید 119

فیصلہ کی بنیاد کیا ہو؟ 123

عنوان	صفحہ نمبر

دن کی ابتدائی روشنی 128

ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟........................ 134

صبح صادق میں اوّل طلوع کا اعتبار ہے،........................ 136

اگر طلوع صبح صادق کا مشاہدہ نہ ہوسکے تو تحقیق وحساب پر عمل کا حکم........... 137

کیا صبح صادق کی روشنی خالص سفید ہوتی ہے؟........................ 142

خلط مبحث........................ 146

مرجوح مسلک........................ 149

قابل تعجب:........................ 155

فجر اور مغرب کا وقت برابر ہونے اور وقت عشاء کی تحقیق........... 159

صبح صادق کا طلوع اور شفق ابیض کا غروب کتنے درجہ زیر افق ہے؟ 160

علامہ آلوسیؒ کا حوالہ: مع الجواب........................ 160

علامہ سائحانیؒ اور علامہ شامیؒ کا حوالہ:........................ 164

ابوریحان البیرونیؒ کا حوالہ........................ 165

ہماری توضیح:........................ 169

استشہاد نمبر۱........................ 170

استشہاد نمبر۲........................ 172

محقق طوسی کا حوالہ:........................ 173

عنوان	صفحہ نمبر

محشی کے نزدیک فجر وشفق کے باب کی اہمیت 174
سوچ وفہم کس کا معتبر؟ 175
شرح چغمینی کا حوالہ 179
مصنف کا استدلال 180
علامہ یوسف قرضاوی کا حوالہ: 184
ڈاکٹر کمال الدین کا حوالہ : 184
مجموع الفتاویٰ الشرعیہ کا حوالہ : 184
رابطہ عالم اسلامی کی مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا حوالہ 184
غرر کہاں واقع ہوگیا؟ 186
قصور کس کا ہے؟ 188
اہم انکشاف 192

حصّہ سوم 194

صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت

اجمالی جائزہ: 197
تفصیلی وضاحت 198
پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟ 199
ازالہ شبہ 202

عنوان	صفحہ نمبر

محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں 203
امکانِ خطاء 206
کیا واقعی 18 درجے والے نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟ 210
نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد 211
فنی باریکیوں سے عدم واقفیت 211
محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا 214
18 درجے والی تحقیق کس کی؟ 217
ایک دلچسپ 222
اشکال: (کیا ٹنڈ و آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی تھی؟) 229
اختلاف کس چیز میں ہے؟ 236
حقیقت کیا ہے؟ 237
دونوں میں فرق: 239
اظہار حق اور اکابر کا احترام 240
خلاصہ کلام 241

حصّہ چہارم ....

۱۸ درجے پر صبح کاذب اور ۱۵ درجے صبح صادق کے قائلین

دونوں میں فرق 252

عنوان	صفحہ نمبر

اشکال.. 253

علماء عرب کی تحقیقات وآراء.. 255

الشیخ د.سعد بن ترکی الخثلان.. 256

الشیخ ڈاکٹر محمد تقی الدین بن عبد القادر الھلالی.. 258

للشیخ عبد المحسن العبیکان.. 259

قال الشیخ محمد رشید رضاء.. 260

وقال الشیخ محمد بن عثیمین.. 262

وقال الشیخ الالبانیؒ.. 262

الشیخ مصطفیٰ العدوی.. 263

ایک علمی اور فقہی کانفرنس.. 264

چیئرمین آف کانفرنس (الشیخ ڈاکٹر، زکی بن عبد الرحمٰن المصطفی).. 264

شرکاء کانفرنس.. 265

’’تقدیم وقت اذان الفجر، وتأخیر توقیت العشاء‘‘ للشیخ عدنان العرعور.. 267

علماء ومشائخ سعودیہ.. 269

علماء سوڈان...و..علماء مصر.. 270

الدکتور سلیمان بن ابراہیم الثنیان.. 271

الشیخ عبد اللہ بن ابراہیم.. 272

خلاصہ کلام:.. 272

مصادر ومراجع.. 274

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ کِتَابِهٖ الْمَجِیْدِ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِه الذی قال لایغرنکم ھٰذا البیاض المستطیل حتی یستطیر ھٰکذا، مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ !

یہ بات قطعاً محتاج بیان نہیں کہ دین اسلام میں نماز کی حیثیت کیا ہے؟اس کی کتنی اہمیت ہے؟اس کے حوالے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے کیا فضائل اور وعیدیں سنائیں؟اس کے تارک کا کیا حکم ہے؟اس کے لئے اوقات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اگر کوئی نماز مقررہ وقت پر اداء نہ کی گئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ وغیرہ وغیرہ

اوقات نماز کا اہتمام اتنی اہمیت کا حامل ہے جتنی نماز کی فرضیت۔چنانچہ اوقات نماز کے حوالے سے علماء کرام نے متعدد تصانیف تحریر فرمائی ہیں۔اوقات نماز میں سے ظہر، عصر اور مغرب کا تعلق چونکہ خالص سورج کے ساتھ ہے لہٰذا ان کے ادراک اور تعین میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آتی البتہ عشاء اور صبح دونوں ایسے اوقات ہیں جن کا تعلق براہ راست سورج کی بجائے ،اس کے اثر (یعنی روشنی) کے ساتھ ہے اسی وجہ سے یہ اوقات خصوصی طور پر محققین کا موضوع بحث رہے۔فقہاء کرام کے علاوہ ان علماء شریعت نے

بھی ان اوقات کو اپنی تحقیق کا میدان بنائے رکھا جو اسلامی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ فن فلکیات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

ابھی حال میں اسی موضوع پر ایک تالیف بنام ''صبح صادق و کاذب اور وقتِ عشاء کی تحقیق''، سامنے آئی ہے، جس میں ان اوقات پر کافی مفصل کام کیا گیا ہے۔ آج چونکہ ہم جدید سائنس کے دور سے گزر رہے ہیں چنانچہ اسی کتاب میں اوقات صبح و عشاء کا تعین درجات کے ساتھ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صبح صادق اور عشاء حنفی کا صحیح وقت یہ ہے کہ جس وقت سورج افق سے ۱۸ درجے نیچے ہو۔ ساتھیوں کی خواہش تھی کہ اسی کتاب کا تحقیقی مطالعہ کر کے ایک مبصرانہ رپورٹ تیار کی جائے۔ جس سے یہ حقیقت منکشف ہووے کہ محترم مؤلف اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں؟ ذیل میں مذکورہ بالا کتاب کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعے کی رپورٹ ناظرین کے لئے پیش کی جارہی ہے۔

کتاب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

کتاب کا نام : صبح صادق و کاذب اور وقتِ عشاء کی تحقیق

مؤلف : مفتی محمد رضوان صاحب

ناشر : ادارہ غفران، اسلام آباد

ماہنامہ التبلیغ : علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۶

صفحات : 193

اشاعت : اپریل ۲۰۰۹ء (۱)

---

(۱) ادارہ غفران کی طرف سے ہمیں ایک سافٹ کاپی ملی تھی، اس سے پہلے **(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

اسلوب ونہج :

محترم مصنف نے اپنی کتاب میں ایک طرف اگر کسی بحث کو نہایت طول دیا ہے تو دوسری طرف اس کے اندر طریقہ استدلال کو ایسا انوکھا بنایا ہے کہ یہ سمجھ مشکل ہو جاتی ہے کہ اس کے بنیادی اصول وضوابط کیا ہیں؟ نئ اصطلاحات، غیر معروف استدلال وغیرہ نے اس بات کو کافی خاصا مشکل بنا دیا، کہ تنقیدی مطالعہ کس طرح کیا جائے؟ چنانچہ انہی وجوہات کے بنا پر ہم نے اسی تبصرے کو متعدد حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے، کہ پہلے حصے میں مؤلف کا اسلوب ونہج اور جدید اصطلاحات سمیت چند اصولی باتیں زیر بحث لائی جائیں گی۔ دوسرے حصے میں تالیف کے جزئی عنوانات، عبارات، حوالجات اور استدلال کا تجزیہ کیا جائیگا۔ تیسرے حصے میں اکابر بزرگوں کے ایک اختلاف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاف فرمایئے گا یہاں بھی تفصیلی کلام کی ضرورت ایک خاص طرز تحقیق کے نتیجے میں پڑی، وہ یہ کہ اکابر بزرگوں کا اختلاف ضرور ذکر کیا گیا ہے، مگر تصویر کے ایک رخ والا معاملہ اختیار فرمانے کی وجہ سے بہت سے حقائق سے قارئین محروم ہو گئے ہیں، چنانچہ اس بات کی بھی نہایت شدت کے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) ایک version جس کی ایک فوٹو کاپی ہمیں جامعۃ الرشید کے مولانا سلطان عالم صاحب نے ارسال کی تھی، جو کہ تعداد صفحات میں اس سافٹ کاپی سے کم تھی۔ دوران مطالعہ ہمارے سامنے آخری version سافٹ کاپی ہے۔ ہاں بعد میں مفتی صاحب کی طرف سے ''ماہنامہ التبلیغ، علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۱۶'' کی صورت میں ایک شائع کردہ کاپی ملی، چناچہ آخری دفعہ زیر نظر تبصرے میں حوالجات اور صفحات نمبر اس آخری اشاعت کے مطابق ہیں (راقم)

ساتھ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس اختلاف کے حوالے سے اکابر بزرگوں کا معاملہ پورے کا پورا اس طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ شروع سے لے کر آخر تک تمام صورت حال بالکل عیاں ہو جائے۔ چانچہ انہی وجوہات کی بنا پر حصہ سوم اس فقیر کے قلم سے طول پکڑتا چلا گیا ہے۔ کتاب مذکور میں قائلین ۱۵ درجے والوں کی عبارات سے نہایت ہی مختصر انداز میں فراغت حاصل فرمائی گئی ہے لہٰذا انہی روایات واقوال کو مدنظر رکھ کر زیرنظر رپورٹ میں اس بحث کو کچھ تفصیل کے ساتھ قید تحریر میں لایا گیا ہے تاکہ قائلین ۱۵ کی صحیح صورت سامنے آجائے، چنانچہ چوتھا حصہ اس موضوع پر مشتمل ہے۔

معذرت:

انسان خطاء کا پتلا ہے، خصوصاً تنقیدی کلام میں جانب داری سے اپنا دامن بچانا نہایت مشکل کام ہوتا ہے، پھر جب کہ کسی کلام میں ایسے قابل تنقید عبارات بھی پائی جائے، جس سے انتقامی جذبات کو ہوا لگ رہی ہو۔ لہٰذا یہ بعید نہیں کہ بساط بھر کوشش کے باوجود اس فقیر سے یہاں اس قسم کی لغزش نہ ہوئی ہو۔ اگرچہ حقائق کو دیکھتے ہوئے شائد ناچیز یہاں اتنے جرم کا سزاوار نہ ٹھہرتا ہو مگر ان سب باتوں کے باوجود ہر اس بات وتحریر پر جس سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو یہ فقیر دست بستہ معافی کا خواستگار ہے۔

گزارش:

علاوہ ازیں اہل علم کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ درخواست ہے کہ یہ مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہونے کی بنا پر بہت ہی تحقیق طلب ہے لہٰذا درخواست یہ ہے کہ کسی بھی کمی

بیشی اور غلطی کی صورت میں اہل علم حضرات زیر نظر تبصرہ ونقد ملاحظہ فرما کر اس خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ اس کا اصلاح کیا جاسکے۔ یہ فقیر اپنی کم مائیگی اور کم علمی کا اعتراف کرتا ہے:

وما ابریء نفسی ان النفس لامارة بالسوء الاما رحم ربی ۔

شوکت علی

حصّہ اوّل

کتاب میں چند جدید اصطلاحات
اور پھیلی ہوئی چند اصولی باتوں کا
تحقیقی وتنقیدی جائزہ

تمہید:

حصہ اول میں مؤلف کا اسلوب ونہج کو پرکھا جائے گا، کہ پوری کتاب میں عمومی طور پر تحقیق کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کی گئی ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں طرز استدلال کو دیکھا جائے گا کہ اصول تحقیق کے حوالے سے اپنے موقف کی کوئی مثبت اور ٹھوس منطقی بنیادیں بھی رکھی ہیں یا کوئی دوردراز تاویلات وتاثرات کا سہارا لیا گیا ہے؟

حق بات تو یہ ہے کہ کسی محقق کو ایسی کوشش کبھی نہیں کرنا چاہئے کہ وہ مسلمہ حقائق کو ہی الٹ پلٹ کر پیش کردے۔ اسی طرح تحقیق کے اصول یہ ہے کہ کسی بات کا اثبات اگر مقصود ہو تو بجائے اس کے کہ جگہ جگہ ایسی تاویلات کی جائے جس سے قاری کے ذہن کو غیر محسوس طریقے سے مانوس کروا کر اُسے تسلیم کروایا جائے، بلکہ اپنے دعوے پر ٹھوس دلیل پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اصول تحقیق میں یہ بات سرفہرست ہوتی ہے کہ اپنے مدعا کو تفصیل اور لمبی چھوڑی عبارات کی بجائے کسی منطقی مقدمات پر رکھا جائے جو کسی مثبت حقیقت پر منتج ہوں۔ یہاں کتاب مذکور میں بھی کچھ اس قسم کی بحثیں تحریر فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً:

صبح ایک ہی ہے، کامل لیل اور ناقص لیل، رسم ناقص وحد تام، تطبیق کی عجیب توجیہ یعنی بعض ازمنہ وامکنہ کے اعتبار سے، صبح صادق کا خالص سفید پر ابیض سے استدلال حالانکہ ممزج بحمرۃ ۱۸ والوں کو بھی تسلیم ہے، صبح صادق کا اول طلوع کا اعتبار، صبح کاذب کا درجہ متعین نہیں ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہے۔ صبح صادق سے پہلے مکمل اندھیرے کا ہونا۔ آج کل مشاہدات ناممکن تک بتایا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسے عنوانات اور

اصطلاحات ہیں جنہیں یہاں نے چھیڑے گئی ہیں،مگر ان عنوانات سے اپنے مدعا کو بجائے صریح دلالت کے،نہایت دوری سے موثر کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ تمام موضوعات کتاب میں اسی طرح مستقل ''عنوان'' کی صورت میں تحریر نہیں ہیں ، بلکہ یہ دراصل پوری کتاب میں دورانِ تحقیق اختیار کئے گئے ایک نئے نہج کے عکاس ہیں ۔کتاب مذکور میں یہ نئی اصطلاحات متعارف کرا کر دراصل اس کے بعد ان بنیادوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن پر ۱۸ درجے کی سائنسی عمارت کھڑی ہے۔ان موضوعات کے لئے جہاں ضرورت ہوئی تو باقاعدہ عنوان قائم کیا،نہیں تو پوری کتاب میں جگہ جگہ ان کا تذکرتے کرتے قاری کے زہن میں یہ تصورات بٹھانے کی سعی کی ہے۔

یہاں یہ بات نہایت قابل ذکر ہے کہ جہاں پر جن بنیادوں کو انہی اصطلاحات جدیدہ کا سہارا لے کر مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے،وہاں پر آپ سے پہلے (۱۸ درجے والے قائلین میں سے) کسی نے بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ ایسی مواقع میں انہی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات نے یا تو بعینہ تسلیم کر کے استدلال میں اختلاف کیا ہے یا پھر کوئی اور تاویل ضروری سمجھی ہے مگر یہ حرکت کسی نے بھی نہیں کی ہے کہ سرے سے ان حقائق ہی سے انکار کرے۔مثلاً صبح صادق کی روشنی میں سرخی کی آمیزش بالاتفاق مسلم ہے،وجہ اختلاف یہ کہ کوئی ۱۸ پر اس کے اثبات کے قائل ہیں کچھ اس وقت اس کے عدم وجود کے قائل ہیں ۔مگر مصنف صاحب سرے سے اس بات کا نکار ہی فرما گئے کہ صبح صادق کی روشنی 'خالص سفید'' ہی ہوتی ہے۔گویا کہ مصنف سے

پہلے بزرگوں نے ۱۸، ۱۵ کا اختلاف کو فنی سمجھ کر کیا۔ اور مصنف نے آکر اسے فن کے بجائے اسے شرعی اختلاف بنا دیا۔ کیونکہ اب یہ صبح صادق کاذب کی علامات ہی میں اختلاف ہے یہ ایک مثال تھی اس قسم کی باتیں ان شاء اللہ آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان پھیلے ہوئے تصورات کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اصل دلائل کی رو سے ان کا ثبوت ہی مشکوک ہے جبکہ بعض تحصیل حاصل کے زمرے میں داخل ہیں۔ چنانچہ حصہ اول میں انہی موضوعات پر ان شاء اللہ وتعالیٰ بحث کی جائے گی۔

(۱)

﴿فجر دراصل ''صادق'' ہی ہوتی ہے﴾

کتاب مذکور میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ درحقیقت فجر ایک ہی ہے کیونکہ ''صبح کاذب'' سے تو شریعت نے انکار فرمایا ہے۔ استدلال اس طرح کیا ہے کہ فجر جہاں مطلق ذکر کی جائے تو اس سے مراد فرد کامل یعنی ''صبح صادق'' ہی لیا جانا چاہئے۔ پوری کتاب کو پڑھنے سے بار بار یہ دہراتا ہوا دعویٰ چمکتا نظر آتا ہے، مثلاً تحریر فرماتے ہیں:

> ''خلاصہ یہ کہ صادق کے معنی سچے اور کاذب کے معنی جھوٹے کے آتے ہیں، اور شریعت کی نظر اور امر واقع میں سچی، اصل اور حقیقی صبح و فجر جو نہار کا حصہ و مبدء ہے وہ ایک ہی ہے، دو نہیں ہیں۔ اور اسی

لئے وہ صادق و سچی ہے،اور کاذب شریعت کی نظر اور امر واقع میں کسی بھی جہت سے صبح نہیں ہے ، بلکہ وہ حقیقی وصادق اور کامل طریقہ پر لیل میں داخل ہے،البتہ کسی کو اس کے صبح ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے،اور اس کے متعلق صبح ہونے کا غلط تصور قائم ہوسکتا ،اس لئے شریعت نے اس غلط فہمی اور غلط تصور کی اصلاح ودرستگی کے لئے اصل وحقیقی صبح وفجر کو صادق کی صفت کے ساتھ موصوف کرکے اس کی تصدیق کردی اور اس کے مقابلہ میں غیر اصل وغیر حقیقی کو کاذب کی صفت کے ساتھ موصوف کرکے اس کے صبح وفجر ہونے کی تکذیب کردی ہے،اور بس، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔(۱)

مقصد؟

پوری کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی لمبی چوڑی تفصیل کا منشاء یہ ہے کہ جب بھی افق شرقی پر روشنی نمودار ہوتو دیکھنے والا اس کو صبح صادق ہی قرار دینے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو، وہ اس فکر میں ہی نہ پڑ جائے کہ صبح کاذب بھی نمودار ہوسکتی ہے یانہیں جبکہ دیکھنے والے کے ذہن میں یہ بات بھی راسخ کی ہوچکی ہوتی ہے کہ صبح کاذب حقیقی لیل میں داخل ہے۔لہٰذا اس نے اس بات کو سمجھنا ہی نہیں ہوتا کہ صبح کاذب سے

(۱) کتاب زیر تبصرہ، صفحہ نمبر ۱۹

اخیر لیل یا قبل صبح صادق اس کو دھوکہ ہوسکتا ہے، بلکہ اس کے ذہن میں ''ایک ہی صبح'' جیسے بار بار دہراتے ہوئے جملوں نے یہ تصور بٹھایا ہوتا ہے کہ صبح کاذب حقیقی لیل ہوکر کہیں رات میں گزر چکی ہوگی۔ لہٰذا کوئی اس جستجو میں پڑے گا ہی نہیں کہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی کو صبح صادق قرار دینا غلط بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔۔۔ ظاہر بات ہے کہ یہ تصور کسی کے دل و دماغ میں بٹھانا اس کتاب کا ایک ایسا کارنامہ ہے کہ یہاں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو دلیل کہا جائے یا دلیل سے بھی کوئی اوپر نام دیا جائے۔۔۔۔ مگر نتیجہ کیا ہوا جس خطرے سے رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں مسلمانوں کو متنبہ فرما کر اس بات کا خوف دلایا تھا کہ کہیں صبح کاذب سے دھوکے میں پڑھ کر اس کو صادق نہ سمجھو، یہاں مؤلف صاحب کی دور دراز تشریحات سے وہ خطرہ ہی جاتا رہا۔ سچ بتایئے مؤلف کا بیان وتشریح سن کر کوئی یہ خوف محسوس کرنے کی ضرورت سمجھے گا کہ کاذب کو صادق سمجھ نہ بیٹھے؟

یہاں اس کلام سے یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ ۱۸ درجے والوں کو اپنا موقف ثابت کرنے پر پابندی لگائی جارہی ہے بلکہ یہاں اصل تنبیہ اس نکتے پر دینا مقصود ہے کہ کسی بھی مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اتنے لمبے چوڑے فلسفے اور قیاس آرایوں کی نہ صرف ضرورت نہیں ہوتی بلکہ تحقیق کے میدان میں یہ طریقہ قابل قبول ہی نہیں ہے۔

طریقہ استدلال:

اس تاویل وتوجیہ ''کہ صبح دراصل ایک ہی ہے'' کو صبح صادق ایک قاعدے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ جب کوئی چیز کسی قید کے بغیر مطلق ذکر کی جائے تو

اس سے مراد فرد کامل ہوگا اور وہ ''فجر'' میں ''صبح صادق'' ہے۔حالانکہ یہ بات مندرجہ ذیل وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اول یہ کہ تمام فقہاء کرام اور جملہ ماہرین فلکیات (متقدمین) نے فجر کی تفصیل شروع کرتے وقت لکھا ہے: **الفجر فجران، الفجر علی نوعین** وغیرہ، اوراس کے بعد ان سب بزرگوں نے بحث کی ابتداء ''صبح کاذب'' ہی سے کی ہے۔تو مطلق فجر ''مقسم'' ہوگئی اور آگے ''کاذب'' اور ''صادق'' اس کی قسمیں اور یہ آپس میں ایک دوسرے کے ''قسیم'' ہوگئیں، اب یہاں مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ نسبتِ تباین ''قسیمین'' کے درمیان ہوتی ہے نہ کہ مقسم اور اقسام کے درمیان، کیونکہ اقسام دراصل مقسم کے افراد ہوتے ہیں چنانچہ مقسم کا اطلاق اپنی اقسام پر برابر ہوتا ہے، لہٰذا کسی قرینہ کے بغیر اس کو ''صادق'' کے ساتھ خاص کرنا خلاف اصول ہے۔البتہ ماہرین فن میں فجر کی ابتداء ''فجر اول'' یعنی کاذب سے اس بات کا قرینہ بطریقہ اولیٰ بن سکتا ہے کہ مطلق ''فجر'' سے مراد ''صبح کاذب'' لی جائے۔اس کی مثالیں اس کتاب کے اگلے صفحات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۲) حدیث میں جو آیا ہے **لا یغرنکم ---الخ** (تمھیں صبح کاذب دھوکے میں نہ ڈالے---) یہ اسی وقت صادق آسکتا ہے کہ فجر کاذب کو حقیقی لیل نہیں بلکہ حکمی لیل قرار دے کر کاذب کی انتہاء اور صادق کی ابتداء یکے بعد دیگرے ہو جائے، تاکہ دونوں کو ایک سمجھ کر دھوکہ سے بچا جاسکے۔

(۳) مؤلف نے آیات بینات سے استدلال کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ صبح

کاذب کا شریعت میں اعتبار نہیں بلکہ احکام کا تعلق صادق کے ساتھ ہے لہٰذا مطلق فجر صادق ہی کہلائے گا۔۔۔۔

حالانکہ اس بات میں نزاع ہی نہیں کہ احکام کا تعلق صبح صادق کے ساتھ ہے، یا نہیں؟ علاوہ ازیں اس کے ثبوت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ فن کے حوالے سے بھی مطلق فجر ''صبح صادق'' کو ہی کہا جائے بلکہ جملہ محققینِ فن نے صراحت کے ساتھ فجر کی دو اقسام بلکہ بعض نے تو تین اقسام اس کی بیان کردی۔ جیسا کہ البیرونی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ فجر تین قسم کی ہوتی ہے، جن میں اول وآخر (یعنی بیاض مستطیل اور حمرت) کے ساتھ احکام وابسطہ نہیں اور صرف بیاض مستطیر کے ساتھ ہی شرعی احکام وابسطہ ہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص اہل فن کی ایک مسلم حقیقت ہی کی تردید کر بیٹھے تو اس کے جواب میں دلائل قائم کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

(۴) مؤلف نے ''مطلق فجر'' کو ''صبح صادق'' قرار دینے کا ایک ایسا دعوی کیا ہے جو کہ آج تک کسی ماہر فن، فقہیہ، محدث، مفسر یا کسی مجتہد نے ایسی صراحت کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ حتی کہ خود قائلین ۱۸ درجے والوں میں سے آج تک کوئی نہیں گزرا جس نے اپنے کو ثابت کرنے کے لئے اس طرح استدلال کیا ہو۔

(۵) استشہاد کے طور پر مؤلف نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ کہیں اگر ''صبح کاذب'' کا ذکر آیا بھی ہے تو شریعت نے اس کے ساتھ فوراً ''کاذب'' کی قید لگا کر اس کی صبح ہونے کی تکذیب فرمائی ہے۔

حالانکہ کاذب کی قید لگانے سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہوتی۔ وجود اس کا برقرار

رہے گا مگر شریعت نے واضح کردیا کہ احکام شرعیہ میں اس کو مدنظر رکھ کرنہیں بلکہ اس کے بعد جب دوسری روشنی معترضاً نمودار ہوگی ،اس کو سامنے رکھ کر شرعی احکام کا تعین کیا جائے گا۔چنانچہ اسی کو''صبح صادق'' کہا گیا۔اب مؤلف کے استشہاد کو کیسے تسلیم کیا جائے کہ احکام مشرعیہ میں صبح کاذب کے عدم اعتبار سے اس کا عدم وجود ہی سمجھ بیٹھے(۱) حالانکہ شارع علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ خیال ودھیان کرکے اس صبح سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ اس کے ساتھ شرعی حکم کوئی وابستہ نہیں۔جبکہ مؤلف کی تشریح کو مدنظر رکھ کر ایک مسلمان اس خوف وغم سے بالکل بےفکر ہوجاتا ہے۔کہ رات کے آخیر میں جو روشنی افق غربی پر کھلے گی وہ صبح صادق ہی کہلائے گی۔

(۶) مؤلف نے یہ بات بھی بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھی ہے کہ:

> ''مگر افسوس کہ بعض حضرات نے حقیقی اور سچی فجر وصبح کو جس کا ثبوت منصوص وقطعی ہے۔۔۔نظرانداز کرکے اپنی ساری صلاحیتوں کا مرکز غیرِحقیقی اور جھوٹی صبح کو بنالیا اور حقیقی و سچی صبح کو اس کے تابع کردیا''(کتاب مذکور ص.......)

حالانکہ خود مؤلف کا بیان قابل افسوس ہے کہ اگر واقعی اسی طرح ہے(یعنی اگر ''اپنی ساری صلاحیتیں'' اس میں استعمال کرنا درست نہیں ہے)تو پھر ایک غیرضروری امر میں'' معمولی صلاحیت'' استعمال کرنا بھی کوئی عقلمندی نہیں کہلائی جاسکتی۔مگر اس کے

۱؎ کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ مؤلف تو صبح کاذب سے انکار نہیں فرمارہے، جواباً عرض ہے کہ جب ایسا ہی ہے تو پھر اس بحث پر بیسوں صفحات کی بحث کی کیا ضرورت درپیش آئی تھی؟

برعکس،ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے رسول اللہﷺ نے صبح صادق سے قبل صبح کاذب کا تذکرہ فرما کر اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ آپ لوگ صبح کاذب سے ہوشیار رہتے ہوئے ہی صبح صادق کا ادراک کرسکتے ہیں۔ ورنہ عدم ہوشیاری کی صورت میں صبح کاذب وصادق کا معاملہ مشتبہ ہوکر آپ مقصد اصلی سے محروم ہوسکتے ہیں۔

(۷) جس چیز سے بچنے کے بارے میں رسول اللہﷺ کے اتنے صاف اور واضح ارشادات موجود ہوں تو اس کی توضیح میں کسی کا ''اپنی صلاحیت صرف کرنا'' ہمارے خیال میں عین منشاء نبویؐ ہے۔

(۸) کسی چیز (مثلاً صبح کاذب) کا شرعی احکام میں غیر معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو بالکل ہی نظر انداز کردی جائے، جب کہ اس سے شارع نے احتراز واجتناب کا حکم بھی ارشاد فرمایا ہو۔ یہاں زیادہ نہیں ایک مثال پیش کرکے اس بحث کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ کہ سود سے بچنے پر شریعت مطہرہ نے کتنا زور دیا ہے اگر یہ کہا جائے کہ ''سود کے حوالے سے صریح آیات وروایات اگرچہ کیف (وعید) میں نہایت سخت ہیں مگر کم (یعنی مقدار) میں اسی طرح نہایت قلیل ہیں۔ لہٰذا اس پر کسی کو ''اپنی ساری صلاحیت'' نہیں صرف کرنا چاہئے، تو کیا یہ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ یا جیسا کہ یہ جملہ بار بار دہرایا جاتا ہے: ''اور اس کے مقابلہ میں غیر اصل وغیر حقیقی کو کاذب کی صفت کے ساتھ موصوف کرکے اس کے صبح وفجر ہونے کی تکذیب کردی'' اگر کوئی شخص بالکل اسی انداز میں یہ کہہ دے کہ جائز اور حقیقی بیع کے مقابلے میں ناجائز اور غیر حقیقی معاملات کو سودی اور فاسد کے ساتھ موصوف کرکے اس کے صحیح معاملے ہونے کی نفی اور تردید

کردی ہے، لہٰذا ان سودی اور فاسد معاملات کی تفصیلات اور تشریحات میں پڑنا بے کار اور ''اپنی ساری صلاحیتوں'' کو ضائع کرنا کہلائے گا، تو کیا یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے؟

جب کہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ آج پاکستان میں صرف نہیں دنیا اسلام میں چوٹی کے علماء سودی نظام کے خلاف میدان جہاد میں کود پڑے ہیں۔ اس میدان کو سر کرنے کے لئے دنیا اسلام کے علماء واکابر جتنے سرگرم ہیں اس کا احاطہ یہاں ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر شخص یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز سے اسلامی احکام ومعاملات میں جتنا خطرہ لاحق ہوتا ہے اتنا ہی اس میدان میں امت کو جگا کر ''اپنی صلاحتیں صرف کرنا'' ضروری ہوتا ہے۔ صبح کاذب کا معاملہ اس سے کم نہیں۔ اگر کسی نے غلطی سے صبح کاذب کی حقیقت نہ سمجھ کر اس کو صبح صادق سمجھ لیا تو اس کا عملی خسارہ کتنا ہوگا؟ اسی خسارے سے بچنے کی خاطر سرکار ﷺ نے فرمایا: **لایغرنکم بیاض المستطیل الخ** آپ لوگوں بیاض مستطیل (صبح کاذب) سے دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔

لہٰذا صبح کاذب کا تذکرہ کرکے کسی کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کے نزدیک شرعی احکام بھی دونوں کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، جس سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے محترم مصنف کو ''صبح ایک ہی ہے، دو نہیں ہیں'' کے گرد اچھا خاصا وقت لگانا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ باقی لوگ بھی صبح کو اسی طرح ایک سمجھتے ہیں جیسا کہ مصنف سمجھ رہے ہیں، یعنی احکام شرعیہ کے اعتبار سے۔ جبکہ صبح کاذب کو ساتھ ملا کر اسی اعتبار سے دو سمجھ رہے ہیں جس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ کسی کا خواہ مخواہ ایک دو کے چکروں میں پڑنا تحصیل حاصل کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

لطیفہ: بقول مصنف جب غیر حقیقی فجر کے ساتھ کاذب کا اضافہ ہو گیا تو اس سے تو صراحت کے ساتھ ''صبح کاذب'' کا اثبات ہو گیا، پھر ''صبح دراصل ایک ہی ہے'' کا کیا مطلب؟(۱)

(۲)

کامل لیل اور ناقص لیل

تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے کتاب مذکور میں لیل کی بھی تقسیم کی گئی ہے۔غروب آفتاب سے عشاء تک ناقص لیل جبکہ عشاء سے صبح صادق تک کامل لیل قرار دیا ہے۔
سوال یہ ہے: کہ لیل کا حکم (چاہے کامل ہو یا ناقص) لیل کا ہی ہے اور اس بات میں کسی کا بھی اختلاف نہیں تو پھر یہ بحث کس مقصد کے لئے چھیڑی گئی؟

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بحث پڑھتے ہوئے قاری کے ذہن میں یہ تصور راسخ ہو جاتا ہے کہ لیل حقیقی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے شروع ہوتے ہی افق پر اندھیرا چھا جانا ضروری ہے چنانچہ عشاء کے اندھیرے کو شفق کی سفیدی کی بنیاد پر ناقص لیل قرار دیا گیا ہے۔جب عشاء کے وقت افق پر اندھیرا نہ ہونے کی وجہ سے دیکھنے والا اسے ناقص لیل قرار دے گا،تو لامحالہ وہ کامل لیل اس وقت تک نہیں سمجھے گا جب تک افق پر گھٹا ٹوپ

---

(۱) سچی بات یہ ہے کہ ہم درحقیقت مصنف کے ''صبح ایک'' کے فلسفے کی سمجھنے سے ہی قاصر ہیں۔اگر اس سے مراد خارجی وجود ہے تو اس سے تو انکار اجماع امت سے خروج کے برابر ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ شرعی صبح صرف ایک ہی ہے تو اس میں نزاع نہیں ہے یعنی کون کہہ سکتا ہے کہ وہ صبح کاذب میں شرعی احکام کا قائل ہو جائے؟ تو پھر مصنف کے اس لمبی چھوڑی بحث کا کیا مطلب؟

اندھیرا نہ چھا جائے۔کامل لیل کا یہی تصور ہے جس سے اس نظریئے کوتقویت ملتی ہے کہ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب کی روشنی کے آثار کا نام ونشان ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

چنانچہ ''فجر کاذب'' کولیل حقیقی میں داخل کرنے اور پھر ''صبح صادق'' کی ابتداء لیل حقیقی کے اختتام سے قرار دینا اس نظرئے کے پکے ہونے میں ممدومعاون بن جاتا ہے کہ۔۔۔آدمی صبح صادق سے پہلے مکمل اندھیرے کا قائل ہوجائے۔۔۔اور یہ اصل مطلوب ہے قائلین ۱۸ والوں کا،جس سے اس بات ''کہ صبح کاذب کی روشنی صبح صادق کے طلوع سے تھوڑی دیر قبل غائب ہوجاتی ہے'' کی تردید ہوجاتی ہے۔حالانکہ پوری رات کے اندھیرے کو مدنظر رکھ کر درحقیقت رات کے آخر میں فجرین کا یہ منظر(یعنی کاذب کی انتہاء اور صادق کی ابتداء جوکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے)ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ صبح صادق سے پہلے مکمل اندھیرا نہیں بلکہ صبح کاذب کی روشنی کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔اور یہ فقہاء اور ائمہ فن کی تصریحات سے بھی ثابت ہے۔

چونکہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی (اسٹرونومیکل ٹویلائٹ) سے پہلے باجماع فلکیین افق شرقی سمیت پورا آسمان پر تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔اس لئے کتاب مذکور میں لیل حقیقی اور لیل ناقص کا سہارا لے کر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ صبح صادق بھی اسی روشنی کو کہا جائے جس سے پہلے لیل حقیقی (یعنی مکمل اندھیرا) موجود ہو۔ظاہر ہے کہ یہ بعید تر مفاہیم وقیاسات اصول تحقیق کے رو سے کسی مدعاء کے ثبوت کے لئے دلیل کا درجہ نہیں رکھ سکتی ۔جبکہ مقابل مفہوم براہ راست احادیث کی عبارات سے ظاہر وباہر ہوکر فقہاء کی تصریحات سے مستفاد ہو۔اب اگر کوئی مذکورہ بالا نتیجے سے

اتفاق نہیں کرنا چاہتا تو اس سے سوال یہ کیا جائے گا کہ مطلق لیل کے حکم میں جب کسی فریق کا اختلاف ہی نہیں ہے تو یہاں اس بحث کو اتنی طوالت کی کیا وجہ؟

(۳)

رسم ناقص وحد تام

کتاب مذکور میں صبح صادق وکاذب کے حوالے سے ایک اور نئی اصطلاح کا اضافہ کیا گیا ہے جس پر اس باب میں کسی فقیہ سے ایک حوالہ بھی نہیں، وہ ہے صبح صادق کی ''حد تام'' اور ''رسم ناقص''، کتاب میں ان اصطلاحات کے ثبوت اور راسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اپنے مدعاء (یعنی صبح صادق کے ۱۸ درجے پر طلوع ہونے) کو دلائل سے براہ راست ثبوت کے بجائے بالواسطہ ان اصطلاحات سے جتنا کام لیا گیا ہے شائد اتنا کسی اور اصطلاح سے لیا گیا ہو؟ حد تام میں صبح صادق کی روشنی کا مستطیر ہونا جبکہ رسم ناقص میں دیگر سب علامات اکھٹے کر کے شامل کردئے گئے ہیں۔ مثلاً صبح صادق کی روشنی میں نہایت قلیل مقدار کی سرخی کا شائبہ، صبح کاذب وصادق کے درمیان وقفہ، کاذب کی انتہاء اور صادق کی ابتداء وغیرہ وغیرہ۔

سب سے پہلا سوال تو یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حدود وعلامات کی یہ تقسیم کس دلیل شرعی کی بنیاد پر کی گئی ہے؟ کیونکہ کسی چیز کی کسی علامت کے وجود وعدم وجود سے اس چیز کا ثبوت وعدم ثبوت براہ راست متاثر ہوتا ہے، اور چونکہ صبح کی نماز کا وقت ایک حکم شرعی ہے لہذا اس حکم شرعی کا ثبوت جن بنیادوں پر مبنی قرار دیا جارہا ہو ان بنیادوں کا

شرعی دلائل سے ثبوت ووضاحت ضروری ہوگا۔

مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مذکور میں ''حد تام'' والی علامات کا وجود ضروری جبکہ ''رسم ناقص'' کے حوالے سے موجودہ تمام علامات کو غیر ضروری (یعنی ان علامات کا وجود وعدم وجود برابر) قرار دئے گئے ہیں۔حالانکہ یہاں اس تقسیم پر کوئی دلیل شرعی تو درکنار کسی فقہیہ ومجتہد کی ایک عبارت بھی صریح پیش نہیں کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ صفت استطارت کے علاوہ دیگر علامات کے بارے میں تطبیق کے طور پر نہایت آسانی سے یہ کلیہ تحریر فرماتے ہیں کہ.... ہوسکتا ہے کہ بعض امکنہ اور بعض ازمنہ میں دیگر علامات بھی پائے جائیں .... اور یہ تطبیق کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اکثر روایات واقوال فقہاء میں استطار کے علاوہ دیگر علامات کا بھی تذکرہ موجود ہے۔حالانکہ تحقیق کے طور پر مصنف کو چاہئے تھا کہ فنی طور پر ان علاقوں اور اس زمانے کا تعین کر کے وہ اسباب ووجوہات ذکر کرتے کہ صبح صادق کی روشنی میں کچھ سرخی کی آمیزش کہاں اور کیوں ہوتی ہے؟

کیونکہ مذکورہ بالا تطبیق کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔اول یہ کہ سرخی کی آمیزش وعدم آمیزش کی فنی وجوہات کچھ ایسی ضرور ہیں جو کہ کہیں پر موجود اور کہیں غیر موجود ہوں۔ دوسری بات یہ کہ اس آمیزش کی فنی کوئی وجہ نہیں بس اتفاقاً کبھی صادق کی روشنی میں سرخی ہو اور کبھی نہ ہو......اول میں مقامات کا تعین لازم آتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا جبکہ دوسری صورت میں ''دعویٰ بلا دلیل'' کے زمرے میں داخل ہو کر مصنف کی تطبیق ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔لہٰذا اگر کتاب مذکور میں فنی طور پر یہ تحدید ہو چکی ہوتی تو یہ تطبیق

کے ضمن میں اس بات کے لئے دلیل بن جاتی کہ یہ علامات رسم ناقص کے درجے میں تسلیم کئے جائیں۔ چنانچہ فنی حقائق پیش کئے بغیر ''حد تام اور رسم ناقص'' کی تقسیم کر کے ''بعض ازمنہ اور بعض امکنہ' کی تطبیق اختیار کرنا ان روایات سے انکار کے مترادف ہوگا جن میں صفت استطار کے علاوہ صبح صادق کی دیگر نشانیاں بھی مذکور ہیں۔

(۴)

﴿صبح صادق کے اول طلوع کا اعتبار﴾

کتاب مذکور میں ایک اور مسلم حقیقت کو خواہ مخواہ چھیڑی گئی ہے۔ جس میں بنیادی طور پر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ صبح صادق کی روشنی اول ظاہر ہوتی ہے پھر نہایت جلدی سے افق کے اوپر پھیلنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں جمہور فقہاء کرام اس بات پر متفق نظر آ رہے ہیں کہ جب صبح صادق کی روشنی یقین کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے تو آیت کریمہ "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ " صادق آ گئی۔ لہٰذا اب کوئی شرعی وجہ باقی نہیں جو مزید انتظار کا باعث بن کر صبح صادق کا حکم (خصوصاً انتہاء سحر اور وجوبِ نماز فجر) مؤخر کر دے۔

مگر اس حقیقت کے باوجود کتاب مذکور میں اس بات پر کافی طویل بحث تحریر کی گئی ہے۔ اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ ان لوگوں کا قول درست نہیں ہے جو صبح صادق کا حکم اس کی روشنی ظاہر ہونے کے ساتھ نہیں بلکہ مزید استطار (یعنی جب روشنی کچھ دیر بعد پھیل جائے) کے بعد لگاتے ہیں۔ اور اس پر دلائل کا

انبار لگا دیا۔۔۔حالانکہ اس بات میں موجودہ صورت حال کو مدنظر رکھ کر کسی کا نزاع نہیں۔ جب نزاع نہیں تو پھر ۱۸ درجے کے قائلین کے حق میں دلائل کے انبار لگانے کا کوئی معتد بہ فائدہ بھی نہیں، کیونکہ یہی تفصیل انہی دلائل کے ساتھ قائلین ۱۵ درجے والے بھی اتنی ہی تسلیم کرتے ہیں جتنی کہ قائلین ۱۸ درجے والے۔

پھر ایسا کیوں کیا گیا؟ چنانچہ یہاں بھی وہی فلسفہ مضمر ہے کہ قاری کو غیر محسوس طریقے سے ذہنی طور پر بالواسطہ (یعنی اسی تشریح کے آڑ میں) ایک دوسری موقف کو تسلیم کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی خود ان کے نزدیک (۱) بھی ظاہر ہونے کے بعد کافی دیر بعد پھیلنا شروع ہوجاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تفصیلی بحث کو مع دلائل قاری پڑھ کر یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ گویا قائلین ۱۵ والوں نے ۱۵ درجے کا قول اس مسلک کی بنا پر اختیار کیا ہے، جس میں صبح صادق کے لئے ظہور

لہ: جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب فہم الفلکیات میں تحریر فرماتے ہیں:

اس قوس کے اندر روشنی بہت کم ہوتی ہے اور وقت کیساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ روشنی اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ اس کے کناروں سے روشنی پھیلنے لگتی ہے یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب سورج افق سے پندرہ درجہ نیچے پہنچ چکا ہوتا ہے۔ (فہم الفلکیات ص ۱۲۳)۔۔۔اور ظاہر ہے کہ صرف روشنی کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں جب تک وہ پھیل کر صفت استطار (یعنی بیاض مستطیر) کی صورت اختیار نہ کرے۔ یہی وجہ ہے ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''صبح صادق کے وقت روشنی کی جو حدود قائم ہوجاتی ہیں وہ تادیر قائم رہتی ہیں'' (ص ۱۲۱)
اب ۱۸ درجے کے وقت روشنی کا تادیر اپنے مقام میں ظہور (جو کہ درحقیقت وہ کاذب کی صورت ہوتی ہے) پھر دوسرا حصہ اس کا استطار یعنی اپنی حدود سے تجاوز کرنا (یہی وقت حتی یستطیر ہٰکذا کا مصداق ہوتا ہے) خود ان حضرات کے نزدیک مسلم ہے۔

کے بعد مزید استطار وانتشار کو شرط قرار دیا گیا ہے، چونکہ دلائل کے رو سے یہ (قول ثانی) ایک مرجوح مسلک ہے لہٰذا یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہی حکم ۱۵ درجے والے صبح صادق کے قول کا بھی ہے۔ اور اس کے برعکس ۱۸ درجے والوں کا قول دلائل پر مبنی سمجھ کر صبح صادق تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ۱۵ کا قول اس اختلافی مسلک پر مبنی نہیں ہے (۱) تفصیل اس کی مندرجہ ذیل ہے:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ بیاض مستطیر'' کی روشنی ظاہر ہوتے ہی اس کے ساتھ احکام شرعیہ متعلق ہو جاتے ہیں، یعنی اس کے ظہور کا پہلا لمحہ ہی صبح صادق کہلاتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل ''حتی یتبین لکم الخیط الابیض'' ہے۔ یعنی آیت کریمہ میں روشنی کی تشبیہ خط کے ساتھ دے کر یہ بتایا جارہا ہے کہ سب سے اولین روشنی کا ظہور رہی سے صبح صادق کے احکامات شروع ہو جاتے ہیں بشرط یہ کہ ''مستطیر''

---

(۱): ۱۵ درجے والوں کا کہنا یہ ہے کہ بوقت ۱۸ جو روشنی کی صورت ہوتی ہے وہ مشاہدے سے ثابت ہوا ہے کہ اپنی جگہ قائم ہو کر بصورت بیاض مستطیل ہوتی ہے اور یہ ۱۵ سے معمولی دیر پہلے غائب ہو جاتی ہے، چونکہ وہ غیوبت نہایت قلیل وقت کے لئے ہوتی ہے اسی وجہ سے عدم احتیاط کی وجہ سے ۱۸ درجے والے اس کو نوٹ ہی نہیں کر سکیں (اسی خطرے کو مدنظر رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لایغرنکم بیاض مستطیل) اور جب ۱۵ درجے پر روشنی اپنی حدود سے متجاوز ہوتی ہے تو یہی وہ بیاض مستطیر (یعنی حتی یستطیر) کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اسی ۱۸ اور ۱۵ دونوں کو ملا کر ہی حدیث: عن سمرةؓ قال قال رسو لُ اللہ ﷺ لا یَغُرّنّکُم اذَانُ بلالٍ ولَا هٰذاَ البَیَاضُ لِعمُودِ الصُّبحِ حتیّٰ یَستَطِیرَ هٰکذا. (رواہ مسلم) کا مصداق بن سکتا ہے۔ اور یہ ۱۵ درجے کے قریب ہوتے ہی پہلی روشنی کا معمولی وقفے کے لئے غائب ہو جانا راقم بذاتِ خود اپنی آنکھوں سے مع کئی احباب کے متعدد دفعہ مشاہدہ کر چکا ہے۔ جن کا تفصیلی ریکارڈ موجود ہے۔ (قاسمی)

ہو۔مگراس کے برعکس بعض فقہاء کرام کا مسلک یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک صبح صادق (خصوصاً انتہاء سحری) کے احکامات اس وقت متعلق ہوجاتے ہیں جب بیاض مستطیر کے ظہور کے بعد آسمان پر اچھی خاصی روشنی پھیل جائے، یہاں تک کہ افق میں سرخی نمودار ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

ان دونوں مسلکوں کو سامنے رکھ کر آپ کتاب مذکور کے دلائل ملاحظہ فرمائیں تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہاں جتنے بھی دلائل اکٹھے کئے گئے سب اس مسلک ثانی کی تردید میں ہیں۔بات اگر یہاں تک اس حیثیت سے ہے پھر تو اس عنوان میں کوئی نزاع نہیں، مگر ابھی یہ سوال باقی رہے گا کہ اس بحث کے چھیڑنے کا کیا مطلب؟ ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ قائلین ۱۸ درجے والوں کے نزدیک بھی آسٹرونومیکل ٹویلائٹ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے کے فوراً بعد نہیں پھیلتی بلکہ اچھا خاصا وقت گزرنے کے بعد بقول ان کے اس میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے، اس رائے کے برعکس قائلین ۱۵ درجے والے کہتے ہیں کہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی ہی صبح کاذب ہے،اور دیگر دلائل کے علاوہ خود اس کا عدم انتشار بھی اس کی تائید کرتا ہے لہٰذا جب یہ روشنی ۱۵ درجے پر پہنچ کر پھیلنا شروع ہوجاتی ہے تو حقیقت میں یہی صبح صادق کے ابتدائی ظہور کا لمحہ ہوتا ہے۔

اب کتاب مذکور میں آسٹرونومیکل ٹویلائٹ اور اس کے کافی دیر بعد انتشار کو تسلیم کروانے کے لئے کتاب مذکور میں یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا کہ اہل سنت والجماعت کے

اکابرین وفقہاء کرام کے وہ اقوال وتصریحات جن سے مذکورہ بالا مسلک ثانی کی تردید مقصود تھی ان سب کو اٹھا کر قائلین ۱۵ کے خلاف محض اس وجہ سے نقل کردئے تاکہ اس سے آسٹرونومیکل ٹویلائٹ کے رات کے اندھیرے سے ظہور اور پھر اس کا کافی دیر بعد انتشار کا دفاع ہوجائے۔ حالانکہ قائلین ۱۵ کے اگر آسٹرونومیکل ٹویلائٹ کو صبح صادق تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں تو اس کے کئی اور وجوہات ہیں نہ یہ کہ وہ مرجوح مسلک ثانی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، جس کے لئے کتاب مذکور میں اتنی بحث کو نقل کرنا پڑ گیا۔

(۵)

جدید تحقیق سے ثابت ہے

کتاب مذکور میں جگہ جگہ ''جدید تحقیق سے ثابت ہے'' اور'' فلکیات کے فنی قواعد'' وغیرہ جیسے الفاظ بکثرت دہرائے ہیں حالانکہ جس مقام پر جو بحث چل رہی ہوتی ہے وہاں اپنا نظریہ بیان کرکے صرف ان الفاظ پر اکتفاء کرنا کوئی تحقیقی بات نہیں کہلائی جاسکتی جب تک اس پر قطعی شہادت پیش نہ کی جائے۔ جدید تحقیق کے ثبوت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہاں ناقابل انکار حقیقت سامنے لائی جائے۔

(۱) مثلا صفحہ نمبر: ۴۰ حاشیہ ۱ پر لکھتے ہیں:

''فلکیات کے فنی قواعد کی رو سے بھی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ فجر معترض سے پہلے اور اور شفق معترض ابیض کے بعد متصلا ہمیشہ فجر مستطیل وشفق مستطیل کو لازم قرار نہ دیا جائے'' (کتاب زیر تبصرہ، ص ۴۰)

مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون سے فنی قواعد ہیں جن سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہو کہ بیاض معترض سے قبل اور شفق ابیض معترض کے بعد مستطیل روشنی کا وجود ممتنع ہے؟ غالبًا مؤلف صاحب نے مندرجہ ذیل عبارت ''فنی قواعد'' کے طور پر تحریر کی ہے:

> ''کیونکہ صبح صادق یعنی فجر معترض کے طلوع سے پہلے اور شفق ابیض کے غروب کے بعد سورج مختلف ایام میں مختلف مقامات پر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات اس کی مستطیل روشنی اوپر افق پر سیدھی ہونے کی بجائے افق کے دائیں بائیں یا نیچے مائل ہونے کے باعث نظر نہیں آسکتی'' ....(ایضاً صفحہ نمبر:۴۰ حاشیہ ۱)

حالانکہ لفظ ''بعض'' مکان وزمان کے ساتھ لگا کر اس سے کوئی فنی قائدہ نہیں بن سکتا۔ علاوہ ازیں اگر ایسی کوئی بات ہے تو عرض بلد کی نشاندہی کرنا ضروری تھا کہ یہ فنی قانون کہاں تک نافذ ہوسکتا ہے اور کون سے علاقوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، تاکہ بحث ان علاقوں کے حوالے سے کر کے وہاں تک ہی محدود کی جاتی۔

ایک اور مقام صفحہ نمبر ۵۴ پر لکھتے ہیں:

> ''اس عبارت (۲) سے بعض اہل علم حضرات کا منتشر ہونے کے لئے کسی خاص رفتار یا درجے کی تعیین کرنا درست نہیں، کیونکہ مختلف موسموں اور مختلف علاقوں میں سورج کا مدار مختلف حالتوں پر ہوتا ہے، اس لئے سورج کو متعین درجات کو طے کرنے کے میں مختلف زمانہ درکار ہوتا ہے'' (بحوالہ بالا:) (۲) حاشیہ اگلے صفحے پر.........

بقول مصنف اگر قائلین ۱۵ والے قطبین سے لے کر خط استواء تک کے سارے کرہ ارض پر اس قاعدے کا اطلاق نہیں کر سکتے تو کم از کم مناطقہ حارہ ومعتدلہ کے لئے احادیث کی بنیاد پر اسی سوچ میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے ہیں کہ انہی خطوں میں صبح کے وقت بیاض مستطیر سے پہلے بیاض مستطیل کی روشنی ہونی چاہئے اسی طرح بالعکس عشاء کے وقت۔اب اگر کسی کو اسی بات سے فنی طور پر اختلاف ہے تو ان پر لازم ہوگا کہ فنی قواعد ہی کی بنیاد پر انہی مناطقہ میں اس کا مستبعد ہونا ثابت کرے۔محض

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

یہاں جس عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے: واعلم ان الفجر فجران کاذب وصادق،فالکاذب یطلع اولاً مشتطیلاً کذنب السرحان یصعد الی السماء فبطلوعه لایخرج اللیل ولایحرم الطعام والشراب علی الصائم، ثم یغیب فیطلع بعده الفجر الصادق مستطیراً ینتشر سریعاً فی الافق،فبطلوعه یدخل النهار ---الخ (تفسیر بغوی سورۃ بقرآیت ۱۸۷)

ترجمہ: فجر دو قسم ہے،کاذب اور صادق،پس کاذب وہ ہے کہ فجر اول مستطیل (بھیڑئے کی دم کی طرح) آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔تو اس کے طلوع سے نہ رات ختم ہوتی ہے اور نہ اس کی وجہ سے روزہ دار کیلئے ابھی کھنا پینا بند ہو جاتا ہے۔پھر یہ فجر غائب ہو جاتی ہے،تو اس کے بعد فجر صادق طلوع ہو جاتی ہے جو کہ فوراً افق پر پھیل کر مستطیر شکل اختیار کر لیتی ہے۔پس اس کے بعد دن شروع ہو جاتا ہے۔-----حالانکہ مذکورہ بالا عبارت '' **ثم یغیب فیطلع بعده الفجر الصادق** '' سے بداہۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ صبح صادق جب بھی طلوع ہوگی تو اس سے پہلے صبح کاذب ضرور طلوع ہوگی۔'' کاذب کا پہلے اور اس کے بعد صادق کے'' طلوع ہونے کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ آپس میں متصل (یعنی کاذب کا اختتام اور صادق کی ابتداء) ہونگے ؟علاوہ ازیں آنے والی عبارت میں مصنف نے خود یہ حقیقت تسلیم بھی کی ہے کہ صبح صادق سے پہلے روشنی کا وجود فنی طور پر بالکل درست ہے۔

''بعض اوقات، بعض مکانات اور بعض دفعہ'' وغیرہ جیسے کلمات سے ایسی باتیں قطعاً ثابت نہیں ہوسکتیں۔

اگر اس سے مراد قطبین اور اس کے قریب علاقوں میں طوالع وغوارب ہوں۔تو وہاں ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر اس صورت میں یہ معتدل علاقوں کا غیر معتدل علاقوں پر قیاس کے زمرے میں داخل ہو کر قیاس مع الفارق کہلائے گا جس کا بطلان ظاہر ہے، ورنہ پھر دیگر حقائق کا بھی یہی حال ہو گا جن کے بطلان سے خود قائلین ۱۸ درجے والے حضرات بھی انکار نہیں فرما سکتے۔

(۲) ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

> ''اور جدید تحقیق سے معلوم ہوا کہ صبح صادق سے پہلے اور عشائے حنفی کا وقت داخل ہونے کے بعد خط استواء اور اس کے قرب وجوار میں طولانی روشنی جس کو بروجی روشنی یعنی زوڈیکل لائٹ کہا جاتا ہے، پورے سال مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔اور طوالع وغوارب کا عکساً قاعدہ ایک ہونے کی وجہ سے مستطیل روشنی کا شفقِ ابیض کے بعد نظر آنا فلکی وفقہی اعتبار سے اعتراض کا باعث نہیں۔..............
>
> ....(صفحہ نمبر ۴۸، حاشیہ ۱)

یہاں بھی حسب معمول ''جدید تحقیق'' کا حوالہ دے کر لکھا گیا ہے کہ طوالع وغوارب کا عکساً قاعدہ ایک ہونے کی وجہ سے مستطیل روشنی کا شفقِ ابیض کے بعد نظر آنا فلکی وفقہی اعتبار سے اعتراض کا باعث نہیں، مگر اس کا نتیجہ خود ان حضرات کے نظریے کے ساتھ

متصادم ہے۔وہ یہ کہ جب ''شفق ابیض مستطیر'' کے بعد متصل ''بیاض مستطیل'' جدید تحقیق سے ثابت ہوا تو لامحالا اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ ''فجر مستطیر''یعنی صبح صادق سے پہلے بھی متصلاً '' بیاض مستطیل''(یعنی صبح کاذب کی روشنی)افق شرقی پرموجود ہونی چاہئے۔اور جب یہ بات طے ہوگئی تو وہ ساری محنت جو کہ '' صبح دراصل ایک ہی ہے،صبح کاذب حقیقی لیل ہے،صبح صادق کی روشنی نہار شرعی کا مبداء، یہ روشنی رات کے اندھیرے میں پہلی کرن وغیرہ وغیرہ جیسے اصطلاحات وتفصیلات کے آڑ میں ثابت ہونے والی صبح صادق کے خیالی نقشے کو پیش کرنے کے لئے صرف کی گئی تھی،رائیگاں چلی جاتی ہے۔کیونکہ پچھلے صفحات میں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ چونکہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی''اسٹرونومیکل ٹویلائٹ'' سے پہلے افق شرقی پر مکمل اندھیرا ہوتا ہے،اوراس پر ماہرین فلکیات کا اجماع ہے،اوریہی وہ حقیقت تھی جس کو مدنظر رکھ کر ہی چند جدید اصطلاحات متعارف کرائے گئے ہیں ، تاکہ رات کے اندھیرے میں روشنی کی پہلی کرن کو صبح صادق کہا جاسکے۔جب فلکیین کے اجماع سے ۱۸ درجے پہلے مکمل اندھیرا ثابت ہوا تو یہاں اس بیان: ''اورطوالع وغوارب کا عکساً قاعدہ ایک ہونے کی وجہ سے مستطیل روشنی کا شفقِ ابیض کے بعد نظر آنا فلکی وفقہی اعتبار سے اعتراض کا باعث نہیں'' کی رو سے ۱۸ درجے پر ظاہر روشنی کو صبح صادق کیسے تسلیم کی جائے؟

خلاصہ کلام یہ کہ کتاب مذکور میں نہایت لمبی چوڑی تفصیلی ابحاث نقل کرکے نئ اصطلاحات کی وساطت سے قاری کے ذہن میں غیر محسوس طریقے پر صبح صادق کا ایک

ایسا نقشہ بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ رات کا اندھیرا چھایا ہوگا اچانک آخیر رات میں صبح صادق کی سفید روشنی نمودار ہوجائے گی۔تا کہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی ''اسٹرونومیکل ٹویلائٹ'' اس نقشے پر صادق آسکے۔کیونکہ اس سے پہلے باجماع فلکیین افق شرقی پر اندھیرا چھایا ہوتا ہے۔

والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

حصّہ دوم

تفصیلی نقد وتبصرہ

اس حصے میں کتاب کے ان مقامات پر تبصرہ کیا جائے گا جہاں مصنف نے اپنے موقف کے لئے استدلال تو کیا ہے مگر دلائل کی رو سے اس کے ساتھ اتفاق مشکل ہو۔ مصنف نے اپنی کتاب کو چند سوالات کی صورت میں ترتیب دی ہے۔لہٰذا جہاں تک ممکن ہوتو ان شاء اللہ الرحمٰن یہاں بھی صفحات نمبر کے حساب سے وہی ترتیب مدنظر رکھی جائے گی۔

سوال نمبر (۱)

.......صفحہ نمبر ۱۰ تا صفحہ نمبر ۱۹.......

صبح صادق کے بارے میں آج کل کافی ردوقدح سامنے آتی ہے، اسلام میں کیا اس کی اتنی اہمیت ہے، کہ اس پر اتنی جد وجہد وتحقیق سے کام لیا جائے؟

اس سوال کا جواب صفحہ ۱۰ تا ۱۹ تک ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ صبح صادق کی کتنی اہمیت ہے، یہ بات محتاج بیان نہیں کہ صبح صادق (کی بحث وتحقیق) اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جتنی ایک فرض نماز۔ ایک فرض نماز خصوصاً نماز فجر اپنی فرضیت واہمیت تب برقرار رکھ سکتی ہے جب اس کو مقررہ وقت پر ادا کی جائے لہٰذا نماز فجر کی فرضیت واہمیت کے پیش نظر یہ کہنا سوفی صد بجا ہے کہ صبح صادق کی تحقیق نہایت ہی ضروری اور اہم ہے۔

مگر یہاں صبح صادق کی اہمیت بیان کرنے کی بجائے حوالہ جات پر حوالجات نقل کئے گئے ہیں۔ جن کا ظاہری طور پر تعلق صبح صادق اور صبح کاذب کی شرعی تعریفوں کے ساتھ ہے۔ یہاں تعریفات کا تذکرہ بجا مگر اصولاً ضروری تھا کہ عنوان کا لحاظ کر کے اہمیت کی وضاحت فرمادی جاتی۔ دوسری بات یہ کہ یہاں چند دعوے کئے گئے ہیں، جن پر ذیل میں مختصراً کلام پیش کیا جارہا ہے۔

(۱)......آیت کریمہ میں ''خط ابیض واسود'' کی وضاحت کرتے ہوئے ایک حدیث " انما ذالك بياض النهار من سواد الليل " نقل کرنے کے بعد تحریر ہے:

''اس صحیح وصریح حدیث سے ایک طرف تو قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی مرادواضح کردی اور دوسری طرف یہ بتلایا کہ شریعت کی نظر میں بیاض نہار (جس سے باتفاق جمہور صبح صادق مراد ہے) سے پہلے کے وقت کورات اور سوادلیل کاحکم حاصل ہے۔'' (صفحہ نمبر ۱۱)

(۲).....متعدد تفاسیر جن میں ''خط ابیض واسود'' کی تفسیر دن اور رات کے ساتھ کی گئی ہے، تمام حوالے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

''ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صبح صادق پر نہار شرعی کا آغاز ہوتا ہے، اور اس سے پہلے وقت کو لیل کا حکم حاصل ہے، اور صبح صادق ہی اصل صبح اور حقیقی فجر ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ صبح صادق طلوع ہوتے ہی اس کا حکم شروع ہوجاتا ہے''..(ص:۱۵)

(۳)......خلاصہ میں لکھتے ہیں:۔

''خلاصہ یہ کہ صادق کے معنی سچے اور کاذب کے معنی جھوٹے کے آتے ہیں، اور شریعت کی نظر اور امر واقعی میں سچی، اصل اور حقیقی صبح وفجر جو نہار کا حصہ ومبداء ہے وہ ایک ہی ہے، دونہیں ہیں، اور اسی لئے وہ صادق و سچی ہے، اور کاذب شریعت کی نظر اور امر واقع میں کسی بھی جہت سے صبح نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقی وصادق اور کامل طریقہ پر لیل میں داخل ہے۔ البتہ کسی کو اس کے صبح ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، اور اس کے متعلق صبح ہونے کا غلط تصور قائم ہوسکتا ہے، اس لئے شریعت

نے اس غلط فہمی اور غلط تصور کی اصلاح ودرستگی کے لئے اصل وحقیقی صبح وفجر کو صادق کی صفت کے ساتھ موصوف کر کے اس کی تصدیق کردی، اوراس کے مقابلہ میں غیر اصل وغیر حقیقی کو کاذب کی صفت کے ساتھ موصوف کر کے اس کے صبح ہونے کی تکذیب کردی ہے، اور بس اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں۔'' (ص : ۱۹)

تبصرہ:

صبح صادق کے حوالے سے یہ بات کہ اس سے نہار شرعی کی ابتداء ہوتی ہے، اول روشنی ہی سے صبح صادق کے احکام متعلق ہوجاتے ہیں، صبح صادق سے پہلے سحری کا کھانا ،تہجد کا پڑھنا، نماز فجر کا جائز نہ ہونا وغیرہ وغیرہ جیسے احکام رات ہی کے حکم میں داخل ہیں ۔ان مسائل میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ۔کون یہ فتوی دے سکتا ہے کہ صبح صادق کے طلوع وظہور سے پہلے ہی کھانا پینا بند کیا جائے ، پھر سوال یہ ہوگا کہ صبح صادق سے کتنی دیر پہلے یہ حکم لگے گا...؟ اسی طرح کون یہ جرءت کرسکتا ہے کہ ایک دفع جب صبح صادق کی مستطیر روشنی افق شرقی پر نمودار ہوکر واقعتاً صبح صادق حکم لے لیتی ہے تو اس کے بعد بھی کھانے پینے وغیرہ کی اجازت دے؟ خلاصہ کلام یہ کہ یہ بات بالاتفاق مسلم ہے کہ صبح صادق سے پہلے رات ہوتی ہے اور صبح صادق کے بعد دن کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

جب یہ بات طے شدہ ہے تو سوال یہ ہے کہ کتاب مذکور میں اس موضوع پر اتنا زور دے کر حوالے پر حوالے جمع کرنا تحصیل حاصل نہیں کہلائے گا تو اور کیا ہوگا؟ یا اس بحث کو معنوی طور پر کسی اور مقصد کے حصول کا ذریعہ قرار دینا پڑے گا؟

تحریرات منقولہ کو بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس انداز بیان کو اس میں اختیار کیا گیا ہے وہ اسی ظاہری الفاظ کے آڑ میں کسی اجنبی دعوے کی غمازی کررہے ہیں۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے رات کے لئے ''حقیقی لیل''،اور ''صبح کاذب کا حقیقی لیل میں داخل ہونا''،اور صبح صادق یا اس کے بعد وقت کے لئے ''نہار شرعی کا مبدء''،اور ''اصل وحقیقی صبح وفجر وہ ایک ہی ہے، دونہیں ہیں'' وغیرہ وغیرہ الفاظ جو بار بار استعمال کئے گئے ہیں تو اس سے قاری کے ذہن میں صبح صادق کا وہ خیالی نقشہ راسخ کرنا مقصود نظر آتا ہے، جو جدید ماہرین فن نے فنی تشریح کرتے ہوئے صبح کے حوالے سے کھینچا ہے، ورنہ کون شرعی طور پر ان باتوں کے خلاف قول کرسکتا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ جدید ماہرین فن نے طبیعات کے حوالے سے رات اور دن (یعنی اندھیرا اور روشنی) کو بیان کردئے ہیں، آگے شرعی طور پر کن علامات کو سامنے رکھ کر صبح صادق کا حکم لگایا جائے گا، ان لوگوں کا اس بات سے قطعاً سروکار نہ تھا، مگر ہمارے مہربانوں نے ان ماہرین کی تشریح کو حرف آخر سمجھ کر اس کے لئے دلائل تلاش کرنا شروع کردئے۔چنانچہ انہی وسائل میں سے زیر تبصرہ کتاب میں یہ انوکھا طریقہ اختیار کرکے مفسرین وشارحین کی وہ باتیں جو ان بزرگوں نے فقہی اختلاف کی بنیاد پر بعض مسالک کی تردید میں تحریر فرمائی تھی وہ یہاں لاکر ایک فنی اختلاف میں ڈال دی گئیں۔

حالانکہ بات دراصل یہ ہے کہ سطور بالا میں کئے گئے دعووں پر استدلال ان آیات کریمہ کی تفسیری عبارات سے کیا گیا ہے، جو متعدد مفسرین نے اس بات کے اثبات میں نقل فرمائی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بعض صحابہ کرامؓ نے

خیط ابیض اور خیط اسود کے بارے میں استفسار کیا۔ تو جواباً ارشاد فرمایا کہ "انما ذالك بیاض النهار و سواد اللیل "لہٰذا مفسرین کا اس مقام پر ان روایات کو نقل کر کے آگے لیل و نہار کی بحث کرنے سے مفسرین کا خط ابیض و خط اسود کے حقیقی معنی یعنی کالے اور سفید دھاگے کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی یہ عبارات و تشریحات اگر کسی نے نقل کرنے ہیں تو یہ ایک ایسے اختلاف کے ضمن میں پیش کئے جاسکتے ہیں جو فقہی اور نظریاتی طور پر صبح صادق کے حوالے سے وجود میں آیا ہو اور یہ اختلاف ماضی میں گزرا ہے پس ایسے لوگ جو اس بات کے قائل ہو جائیں کہ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی نہیں بلکہ مزید انتظار کرنے کے بعد صوم وصلوٰۃ کے احکام جاری ہونگے یا ایسے لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ حتی یعترض لکم الاحمر لہٰذا ان لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ جب تک خاص سورج کے طلوع ہونے کے آثار ظاہر نہ ہو اس وقت تک سحری کھائی جاسکتی ہے، یعنی ان کے نزدیک ۔۔۔حتی یتبین لکم الخیط الابیض --- کا صحیح مصداق قبل طلوع شمس کا وقت ہے۔ لہٰذا صبح صادق کے حوالے سے اسی اختلاف کو پیش نظر رکھ کر مذکورہ بالا عبارات کو پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ہم نے پہلے ہی واضح کر دیا ہے آج فریقین (قائلین ۱۸ اور ۱۵ والے دونوں) کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر ہے تو وہ یہ ہے کہ جس بات پر یہ حضرات شرعی طور پر متفق ہیں (یعنی بیاض مستطیر کا ابتدائی ظہور تو) خارج میں اس کا صحیح مصداق کیا ہے؟

اس کا حل کچھ بھی ہو مگر یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ کتاب مذکور میں جو عبارات دلائل کے طور پر جس پس پردہ مقصد کے لئے نقل کئے گئے ہیں، اپنے دعوے پر عدم دلالت

کے علاوہ قلب موضوع کی کوشش ہے۔مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''صبح صادق کے اول طلوع کا اعتبار'' حصہ اول، صفحہ نمبر 29

---

(۲)

صبح صادق وکاذب کی حدتام ورسوم ناقصہ وتعبیرات مختلفہ

......صفحہ نمبر۲۰ تا صفحہ نمبر۳۴.........

حصہ اول میں جن جدید اصطلاحات کا تذکرہ کیا گیا ان اصطلاحات کا استعمال تقریباً پوری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں بھی صبح کاذب کے انکار کو مستلزم تحریرات نقل کرتے ہوئے کچھ مبہم ابحاث چھیڑی گئی ہیں۔مثلاً تحریر ہے:

> ''مگر افسوس کہ بعض حضرات نے حقیقی اور سچی فجر وصبح کو جس کا ثبوت منصوص وقطعی ہے اوراس کے ساتھ ہی احکام شرعیہ ضروریہ نہاریہ متعلق ہیں، نظر انداز کر کے اپنی تحقیق کی ساری صلاحیتوں کا مرکز غیر حقیقی اور جھوٹی صبح کو بنالیا، اور حقیقی وسچی صبح کو اس کے تابع وماتحت کردیا'' ....(ص۲۰)

اسی طرح آگے صفحہ نمبر ۲۱، حاشیہ ۱ میں لکھتے ہیں:

''مگر افسوس کہ بہت سے اہل علم حضرات بھی حد تام کے درجے کی ان واضح اور نمایاں فروق کو نظر انداز کر کے غیر ضروری بحثوں میں الجھ کر نہ صرف اپنے آپ بلکہ دوسروں کو پریشانی و اضطراب میں مبتلا کرتے ہیں بلکہ اسی کیساتھ ایک واضح و سہل مسئلے کو پیچیدہ بنانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے'' ....(ایضاً صفحہ نمبر ۲۱، حاشیہ ۱)

ہم یہاں مذکورہ بالا اظہارِ افسوس پر افسوس ہی کر سکتے ہیں کہ قائلین ۱۵ والوں کی ساری محنت کو ایک ایسے گھڑے میں پھینک دی گی کہ وہ سرے سے تحقیق کے زمرے میں داخل ہی نہیں جس پر کسی حد تک غور وفکر کی بھی ضرورت محسوس کی جائے۔ یہاں قائلین ۱۵ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنا اور دوسروں کا نہ صرف وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود اور دوسروں کو الجھنوں میں مبتلا کر کے خواہ مخواہ ایک سہل اور نہایت آسان مسئلے کو مشکل ترین بنانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ اس کو لکھنے والے کی خورد بینی کہے یا حقائق سے لاعلمی کا نام دے بہر حال یہاں ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ الحمد للہ قائلین ۱۵ والے نہ صرف یہ کہ اپنی تحقیق سے ۱۰۰ فی صد مطمئن ہو کر ذہنی الجھنوں میں گرفتار نہیں ہیں بلکہ آج تک جن حضرات نے بھی ان فقیروں کی تحقیق کا مطالعہ کیا ہے تو تسلیم کئے بغیر انہوں نے دوسری بات نہیں کی۔ کیونکہ اسی تحقیق کے ساتھ اگرچہ غیر مسلم ماہرین فن اور ان کے فنی شاگردوں کی صریح عبارات کی حاشیہ نگاری کی رنگینی تو نہیں ہے، اور اس کا ان خاک نشینوں کو کوئی پرواہ نہیں، مگر قدیم مسلم علماء دین و ماہرین

فن اور متأخرین علماء شریعت کے عینی مشاہدات اور تجربات کی پشت پناہی کے علاوہ قرآن وسنت سے استدلال واستنباط کی قوت ضرور حاصل ہے۔ ہاں بعض لوگ جو نہ صرف یہ کہ اپنے نظرئے پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے الٹا دوسروں کی بات کو قابل غور بھی نہیں سمجھتے، ان کے بارے میں یہ بات درست ہوسکتی ہے کہ وہ کسی ایک طرف پختہ یقین رکھنے کے بجائے مزید تشویش کا شکار ہو رہے ہوں۔اب جو لوگ اپنے ہی روئے کی بنا پر اس حالت زار میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے بارے میں ماسوائے اللہ کریم سے دعا کے، اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

اسی تمہید کے بعد اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ : لا یغرنکم بیاض مستطیل حتی یستطیر ھکذا ۔ بیاض مستطیل سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہئے بلکہ صبح صادق کا صحیح وقت تب سمجھیں جب یہ (مستطیل) روشنی افق پر چھوڑائی میں پھیل کر مستطیل کی بجائے مستطیر (جس کی چھوڑائی اس کی اونچائی سے زیادہ ہو) کی صورت اختیار کر جائے ،تو اس روشنی پر صبح صادق کے احکام جاری ہو جاتے ہیں اور یہی شرعی طور پر صبح کہلانے کا صحیح مصداق ہے۔

اب حدیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ صبح صادق کا وقت رات کے اختتام اور دن کے اثرات کا ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں فنی اعتبار سے شاید کوئی خاص فرق نہ ہو سکے یعنی ہوسکتا ہے کہ فنی اعتبار سے یہ لمحہ اس وقت رات اور دن کے دو بڑے حصوں میں منقسم ہونے کا باعث بن رہا ہو مگر شرعی اعتبار سے یہ روشنی کے ظہور کا ایک ایسا مرحلہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو شرعی نقطہ نگاہ سے غافل نہیں بلکہ کافی چوکنا

رہنا پڑیگا ،تا کہ ان پر صبح کاذب اور صادق کا معاملہ مشتبہ نہ ہوجائے،اور یہ مفہوم (خودساختہ نہیں بلکہ) حدیث کے الفاظ " **لایغر نکم** ''سے بالکل عیاں ہے۔لہٰذا یہ خطرہ کہ صبح صادق کی پہچان میں کسی کو مغالطہ نہ ہو، امت کے حوالے سے،سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرمایا تھا۔یہی وجہ ہے کہ صبح صادق کے باب میں جتنی بھی ارشاداتِ نبوی ﷺ ہمارے پاس ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں تقریباً سب (اگر مبالغہ ہوگا تو اکثر)میں بیاض مستطیر کی معرفت کے لئے بیاض مستطیل سے دھوکہ نہ کھانے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔اس حوالے سے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''مؤلف کا استدلال'' کے تحت ص ۱۹،حصہ اول

حدتام اوررسوم ناقصہ کی اصطلاح :

کتاب مذکور کی اس بحث میں بنیادی اور مقصودی اعتبار سے ''حدتام اور رسوم ناقصہ'' کی اصطلاح متعارف کرائی گئی ہے۔یہاں صبح صادق اورصبح کاذب کی علامات کودوحصوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ایک وہ جن کا پایا جاناان حضرات کے نزدیک ہرزمان ومکان میں ضروری اور لازم ہے۔جیسے صبح کاذب کی روشنی مستطیل اورصبح صادق کی روشنی مستطیر ہوتی ہے۔اسی کوصبح کاذاورصبح صادق کا حدتام قراردے دیا گیا۔

دوسری وہ علامات جن کا وجودان کے نزدیک صرف امکان کی حدتک ہے اگر پائی گئی تو تب اوراگران میں سے کوئی ایک علامت بھی نہ نظرنہ آئی تب بھی کوئی بات نہیں۔مثلاً صبح کاذب اورصبح صادق دونوں اخیرلیل میں ایک دوسرے کے بالکل قریب طلوع ہونا، اورانہی علامات کے ساتھ صبح کی روشنی متصف ہوکر''رسوم ناقصہ'' کا نام دے دیا۔

اس بحث کے حوالے سے ایک سوال تو یہ کیا جا سکتا ہے، کہ صبح کاذب وصادق کی ان تعریفوں کی تشکیل پر صریح دلیل کیا ہے؟ کیا فقہاء وغیرہ میں سے کسی نے صبح کی یہ تعریف کی ہے؟ اگر کی ہے تو حوالہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور اگر نہیں تو پھر آج ان اصطلاحات کی ایجاد کی کیا ضرورت درپیش آئی؟ اگر دلیل کے طور پر یہ کہا جائے کہ دیگر علامات کا وجود بعض امکنہ وازمنہ کے اعتبار سے ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ ان ازمنہ وامکنہ کی تعیین فرمادی جائے، ورنہ محض ''بعض امکنہ وازمنہ'' جیسے الفاظ میں ایسی کوئی قوت نہیں جس سے مذکورہ بالا تقسیم کو سہارا دیا جا سکے۔(۱) رسوم ناقصہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''مگر وہ علامات صبح صادق یا کاذب کی حد تام میں داخل نہیں ہیں، اور رسوم ناقصہ کے درجے کی علامات ہیں: مثلاً صبح صادق وکاذب کا باہم متصل ہونا یا ان کے درمیان مخصوص زمانی وقفہ وفصل ہونا، یا صبح سے پہلے کاذب کا ہمیشہ نظر آنا یا بعض زمانوں یا علاقوں میں صبح کاذب کا سرے سے ظہور نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب رسومات ناقصہ کے درجے کی علامات ہیں، اور رسوم ناقصہ کے

۱؎ یہاں رسومات ناقصہ میں صبح کی روشنی میں ''حمرۃ کی نہایت جھلک کی آمیزش'' بھی شمار کیا ہے۔ کہ اصولی طور پر صبح صادق کی روشنی خالص سفید ہونا ضروری ہے البتہ بعض اوقات اس میں سرخی کی معمولی آمیزش بھی ہوسکتی ہے۔اس کی وضاحت کے لئے اسی حصہ دوم میں بعنوان ''صبح صادق کی روشنی خالص سفید ہوتی ہے؟'' صفحہ نمبر.... پر ملاحظہ فرمائیں۔

درجے میں جو علامات ہیں، ان کا ہمیشہ اور ہر جگہ صادق آنا ضروری

نہیں ہوتا .... (صفحہ نمبر ۲۲)

زیر تبصرہ صفحات میں تقریباً ۱۱ روایات ایسے نقل کی گئی ہیں جن میں صبح صادق بیاض مستطیر اور صبح کاذب بیاض مستطیل کے ساتھ موسوم کی گئی ہیں ۔اور یہ اس اعتبار پر نقل کئے گئے ہیں کہ ان روایات سے مقصد ''حد تام اور رسومات ناقصہ کی تقسیم'' ہے۔۔۔ حالانکہ کسی حقیقت پسند انسان پر یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ ان روایات میں اگرچہ کاذب کے لئے مستطیل اور صادق کے لئے بیاض مستطیر کا تذکرہ موجود ہے مگر اس سے حد تام اور رسومات ناقصہ پر استدلال کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ یہ روایات زیادہ سے زیادہ مستطیل اور مستطیر کے حوالے سے ناطق جبکہ دیگر علامات کے حق میں ساکت ہو جائیں گی مگر ان سے مسکوت عنہ (یعنی مستطیل و مستطیر کے علاوہ دیگر علامات) کی نفی کے التزام کا کیا معنی؟ جبکہ دیگر طریقے سے ان کا ثبوت بھی پایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صاحب کتاب بھی ان چیزوں کے مطلقاً انکار کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لہٰذا تمام روایات اپنے ثبوت ودلالت کے اعتبار سے تو درست ہیں مگر یہاں جس معرض استدلال میں نقل کی گئی ہیں اس کے حق میں قطعاً مفید نہیں ہیں۔ پچھلے صفحات میں رسومات ناقصہ کی فہرست گزر چکی ہے ان میں ایک صبح کاذب اور صادق کا ایک دوسرے کے ساتھ اتصال (یعنی کاذب کا اختتام اور صادق کا ظہور) بھی ہے، کتاب مذکور میں اس پر تنقید کی گئی ہے

چنانچہ ذیل میں اس حوالے سے وضاحت پیش خدمت ہے۔

لفظ ''حتیٰ'' کی وضاحت:

قائلین ۱۵ درجے والے حضرات کا کہنا ہے کہ صبح کاذب رات بالکل اخیر میں طلوع ہوکر صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے غائب ہوجاتی ہے، اور پھر فوراً صبح صادق کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے، جب کہ ۱۸ درجے پر صبح صادق کو تسلیم کرنے پر مذکورہ بالا حقیقت کی نفی لازم آتی ہے، کیونکہ اس صورت میں بروجی روشنی کو صبح کاذب ماننا پڑے گا اور وہ بقول اکثر محققین ۱۸ درجے سے کافی پہلے طلوع ہوکر غائب ہوجاتی ہے۔ ۱۵ درجے والے قائلین حدیث " لا یغرنکم البیاض المستطیل حتی یستطیر الخ سے استدلال کرتے ہیں کہ حتی یستطیر کا تقاضا یہ ہے کہ بیاض مستطیل کا آخری اثر بیاض مستطیر تک باقی رہے گا۔ تو اسی استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محترم مصنف لکھتے ہیں:

> '' لہٰذا بعض روایات میں لفظ حتیٰ سے یہ سمجھ لینا کہ کاذب کی انتہاء صادق پر ہوتی ہے، اور درمیان میں کوئی فصل نہیں ہوتا، یہ فقہاء کرام کی تصریحات کے خلاف ہے''...................(صفحہ نمبر: ۲۶)

جواباً عرض ہے کہ اول تو یہاں لفظ حتیٰ والی روایات کو ''بعض روایات'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ کثیر التعداد روایات میں لفظ ''حتیٰ'' منقول ہے۔ اور پھر یہ کہ '' کاذب کی انتہاء'' کو فقہاء کرام کی تصریحات کے خلاف قرار دیا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ ''حتیٰ'' زیادہ تر کس معنی میں استعمال ہوتا ہے؟

لغات کے حوالے سے **المعجم الوسیط** میں ہے:

(۱)حتی: حرف یکون جاراً مثل الی فی انتهاء الغایة نحو

حتی مطلع الفجر .... (المعجم الوسیط ص ١٥٤)

ترجمہ: حتی: الی کی طرح حرف جار کے طور پر بمعنی انتہاء غایت استعمال ہوتا ہے مثلاً (لیلۃ القدر کے بارے میں آتا ہے) ﴿حتیٰ مطلع الفجر﴾

اس کے علاوہ معجم میں اس کا استعمال ''عطف للغایۃ''، ''استیناف'' اور ''کیْ'' کے طور پر بھی مذکور ہے، مگر احادیث میں بیاض مستطیر سے پہلے بیاض مستطیل کے ذکر کی بنیاد پر یہاں ان میں سے کوئی معنی درست نہیں بنتا۔

(۲) عربی سے انگلش ایک لغات ''المورد (AL-MAWRID) قاموس عربی۔انکلیزی '' میں حتی کا معانی یہ لکھے ہیں:

until,till;up to, as far as; to وغیرہ آئے ہیں جو کہ ظاہر ہے ''یہاں تک''، ''تک'' وغیرہ کے معنی رکھتے ہیں ......

(AL-MAWRID ص ۳۵۲)..........................

(۳) ....مفردات القرآن لامام راغب اصفہانیؒ میں ''حتی'' کی تفصیل ملاحظہ ہو:

ویدخل علی الفعل المضارع فینصب ویرفع،وفی کل واحد وجهان:فاحد وجهی النصب : الیٰ ان ،والثانی : کی۔واحد وجهی الرفع ان یکون الفعل قبله ماضیاً ،نحو:

مشیت حتی ادخل البصرۃ، ای : مشیت فدخلت البصرۃ،والثانی :یکون مابعدہ حالا،نحو: مرض حتی لا یرجونہ،....................(مفردات القرآن للراغب)

’’جب یہ فعل مضارع پر داخل ہوتو اس پر رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں اوران میں ہرایک کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔نصب کی صورت میں حتی بمعنیٰ اِلٰی اَنْ یا کَیْ ہوتاہے۔اورمضارع کے مرفوع ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ حتی سے پہلے ماضی آجائے ،جیسے:مشیت فدخلت البصرۃ (یعنی میں چلاحتی کہ بصرہ میں داخل ہوا) دوسری صورت یہ ہے کہ حتی کا مابعد حال واقع ہوجیسے مرض حتی لا یرجو نہ(وہ بیمار رہااس حال میں کہ سب اس سے ناامید ہوگئے) (۲)

اب ہمیں یہاں دیکھنا چاہیئے کہ حدیث ’’ لا یَغُرّنّکُم اذَانُ بلالٍ ولَا ھذاَ البیَاضُ لِعمُودِ الصُّبحِ حتیّٰ یَسْتَطِیرَ ھکذا ‘‘ میں حَتّٰی مضارع (یَسْتَطِیْرَ) پرداخل ہوا ہے لہٰذاامام راغب کی تشریح کے مطابق یہ کس معنی میں استعمال کرنا چاہیئے ظاہر ہے کہ یہاں صرف ایک صورت یعنی بمعنیٰ’’ اِلٰی اَن ‘‘اس کا استعمال درست ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ’’حتیٰ‘‘،تقریباً۱۰۸مرتبہ استعمال ہواہے جن میں’’حتی‘‘ اکثر انتہاء غایۃ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ان میں چند مثالیں عرض کی جارہی ہے۔

(۲) ترجمہ:شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروز پوری،مفردات القرآن جلد۱ص۲۱۲۔

(۱)....واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لك حتیّٰ نری اللّٰہ جھرۃ۔ یعنی ان کے سلسلہِ انکار کا آخر (بقولہم) وہی لمحہ ہوگا جس میں وہ باری تعالیٰ کی پہلی دفعہ رؤیت کریں گے۔

(۲)....لن ترضیٰ عنك الیھود ولا النصاریٰ حتیّٰ تتبع ملتھم اور جب تک آپ یہود ونصاری کی تابعداری نہیں کریں گے یہ آپ سے کبھی خوش نہیں ہونگے۔ یعنی اہل کتاب کی ناراضگی وہاں پر ختم ہوگی جہاں سے آپ (معاذ اللہ) ان کی تابعداری شروع کریں گے۔

(۳).....وَکُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (آیت) یعنی آپ کے کھانے پینے کی اجازت کی انتہاء طلوع فجر پر جا کر پوری ہوگی۔

(٤).....وَ لَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ (آیت) یعنی ان مشرک عورتوں سے عدم جواز نکاح کا حکم ان کے ایمان تک ممتد ہوگا۔

(٥).....فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ لا وَ لَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ یعنی اپنی بیویوں سے عدم تعلق کا حکم ان کی طہارت تک جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ درجنوں آیات ہیں جن میں ''حتی'' انتہاء غایت کے لئے وارد ہوا ہے۔

احادیث سے استشہاد:

آیات بینات وروایات کوسامنے رکھ کرمندرجہ ذیل احادیث پرغورفرمائیےتونہایت آسانی سے مسئلہ واضح ہوسکتاہے، کہ یہاں ''حتیٰ'' کاکیامفہوم سامنے آتاہے؟

(۱)عَن عَبدِ اللّٰہ بنِ مسعودٍؓ قَال قَال رَسُولُ اللّٰہ ﷺ لَا يَمنَعَنَّ احَدَكُم اذَانُ بلالٍ منْ سُحُورَةٍ فإِنّه يُؤَذِّنُ اوُ قَال ينَادِی ليَرجِعَ قائِمُكم وَيَنتبِه نَائِمُكم ولَيسَ الفجرُ ان يَقولَ هكذا وجَمعَ يحیٰ كفَّه حتّٰی يقول هكذا ومدَّ يحیٰ باصُبعَيُهِ السّبابَتَينِ ....(رواه ابودؤد فی کتاب الصوم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کی اذان سننے سے سحری کھانامت چھوڑے، کیونکہ بلال اذان اس لئے دیتے ہیں تاکہ تہجد پڑھنے والے گھر چلے جائیں اورسوئے ہوئے جاگ اٹھے۔اوریحیٰ نے مٹھی بندکرکے فرمایااسی طرح فجرنہیں ہوتی ، بلکہ انگلیاں دائیں بائیں کھول کرفرمایا(فجرصادق)اسی طرح ہوتی ہے۔

(۲) عن عبد الله بن سوادة القشيری عن ابيه قال سمعتُ سمُرةَ بنَ جندُبٍ يَخطُبُ و هو يقُولُ قَال رسُو لُ اللّٰهِ لايَمنَعَنّ من سحُورِكم اذَانُ بلالٍ ولَا بياضُ الُافقِ الذّی هكذا حتّٰے يَستَطيرَ........................(ايضاً)

ترجمہ: عبداللہ بن سوادۃ اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے سمرہ بن جندبؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کی اذان یا افق پر سیدھی روشنی آپ کو سحری کھانے سے نہ روکے، یہاں تک کہ وہ روشنی افق پر عرضاً پھیل جائے۔

(۳) عن سمرةؓ قال قال رسو لُ اللّٰه ﷺ لا يَغُرَّنَّكُمْ اذانُ بلالٍ ولَا هٰذاَ البَيَاضُ لِعمُودِ الصُّبحِ حتىّٰ يَسْتَطِيرَ هٰكذا(۱)

ترجمہ: آپکو بلالؓ کی اذان اور یہ آسمان کی طرف اونچائی میں جاتی ہوئی روشنی دھوکہ میں نہ ڈالے یہاں تک کہ یہ پھیل جائے۔

(٤) وعن سمرةؓ قال قال رَسوُ لُ اللّٰه ﷺ لا يغرّنّكم اذانُ بلالٍ ولا هٰذا البياضُ حتىٰ يَنفَجِرَ الفَجرُ هٰكذا وهٰكذا معتَرِضاًقال ابو دؤد وبسط يدَيهِ يَميناً وشمَالاًماداً يَديهِ (۲)

ترجمہ: آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے بلالؓ کی اذان اور نہ یہ سفید روشنی یہاں تک کہ یہ چھوڑائی میں فجر ہو کر پھیل جائے۔

(۵) .عن عائشةؓ انّ بلالاً كَانَ يُؤذِّنُ بلَيلٍ فقَال رَسُولُ ﷺ كُلُوا واشْرَبُوا حتىّٰ يُؤذِّنَ ابنُ امِّ مَكتومٍ فاِنَّه لَا يُؤذِّنُ حتىّٰ يَطلُعَ الْفَجرُ قاَل القَاسمُ ولَمْ يَكُن بَيّنَ اَذَانِهما اِلَّا اَنْ يَرْقىٰ ذاَ وَ يَنزِلُ ذاَ (۳)

(۱) رواه مسلم (۲) رواه نسائی (۳) رواه بخاری

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بلالؓ رات میں اذان دیتے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتومؓ اذان نہ دے کیونکہ وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔ اور قاسم نے کہا ان دونوں اذانوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ ایک چڑھے اور دوسرا اترے۔

مذکورہ بالا آیات کو پڑھنے کے بعد ان روایات کو پڑھ کر ایک سیدھا سادہ شخص جس کو زوڈیکل لائٹ اور اسٹرونومیکل ٹویلائٹ کا کچھ بھی علم نہ ہو کیا یہی مطلب نہیں لے گا کہ بیاض مستطیل کے بعد ''حتی'' کا تقاضا یہ ہے کہ یہ روشنی رات کے اخیر میں طلوع ہو کر صبح صادق سے پہلے تک موجود رہنی چاہیئے؟

یہی وجہ ہے کہ علماء محققین نے بھی یہی معنی لیا ہے۔ تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج میں علامہ ابن حجر ہیثمیؒ مسلم کی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہوئے" حتیٰ یستطیر" کا معنی واضح کرتے ہیں:

"وفی خبر مسلم (لا یغرنکم اذان بلال و لا ھذاالعارض لعمود الصبح حتی یستطیر) ای ینتشر ذالك العمود ای فی نواحی الافق" .... (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ: اور مسلم کی حدیث (آپ کو بلالؓ کی اذان اور یہ عارض اونچی صباح دھوکے میں نہ ڈالے یہاں تک کہ یہ پھیل جائے) یعنی وہی عمودی بیاض ہی افق میں پھیل جائے۔

علامہ صاحب نے بھی حدیث رسول ﷺ کے الفاظ مبارک "حتـی یستـطیـر" کا مصداق "ای ینتشر ذالك العمود" کہہ کر یہ بات واضح فرما دی کہ صبح کاذب کی روشنی صبح صادق تک باقی رہے گی۔ اسی حدیث کے حوالے سے آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ثانیهما انه ﷺ اشار بالعارض (١) الیٰ ان المقصود بالذات هو الصادق و ان الكاذب انما قصد بطريق العرض ليتنبه الناس به لقرب ذالك فيتهيئو اليدركوا فضيلة اول الوقت لاشتعالهم بالنوم الذى لو لا هذه العلامة لمنعهم ادراك او لالوقت۔فالحاصل انه نور يبرزه الله من ذالك الشعاع ،او يخلقه حينئذ علامة على قرب الصبح و مخالفاله فى الشكل ليحصل التميز و تتضح العلامة العارضة من المعلم عليه المقصود (٢)

ترجمہ : دوسری بات یہ کہ (حدیث میں لفظ) عارض سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دراصل مقصود صبح صادق ہے کیونکہ کاذب کا تذکرہ اس لئے مقصودی سمجھا گیا کہ (صاق کے ساتھ) اس کی قربت کی وجہ سے لوگ متنبہ ہو کر صبح صادق کے اول وقت کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے تیاری شروع کرلیں گے، کیونکہ

(١) ای فی الحدیث المذکور

(٢) تحفة المحتاج فى شرح المنهاج ،كتاب الصلوٰة

اگر یہ (صبح کاذب کی) علامت نہ ہوتی تو لوگ نیند میں مشغول ہوکر صبح صادق کے اول وقت کی فضیلت سے محروم ہوجاتے۔پس حاصل یہ کہ یہ (کاذب) ایک روشنی ہے جواللہ تعالیٰ اسی (سورج کی) شعاع سے پیدا کردیتا ہے یا اسے اللہ تعالیٰ اس وقت پیدا فرمادیتاہے جب کہ یہ علامت کے طور پر صبح صادق کی قریب ہواور شکل میں اس کی مخالف ہوکر دونوں میں فرق اور مقصود کے حصول کے لئے علامت بن سکے۔

سبحان اللہ!اب تو حقیقت بالکل بے نقاب ہوگئی کہ صبح کاذب اور صبح صادق کا آپس میں کیارشتہ ہے؟الحمدللہ بندہ نے پچھلے کسی صفحہ پر یہ تقریر لکھی ہے کہ بنیادی طور پر الفجر فجران کے رو سے صبح کاذب وصادق ایک ہی منظر کے دو حصے ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے علاوہ ماہرین فن متقدمین بزرگوں نے بھی تحریر فرمایاہے"الفجر فجران" مگر حکمت بالغہ کے تحت شرعی احکام اس کے دوسرے حصے (یعنی بیاض مستطیر) کے ساتھ متعلق فرمائے گئے۔اللہ اکبر! اسی حکمت کی طرف علامہ ہیثمیؒ نے حدیث ہی سے استشہاد کرکے راہنمائی فرمائی۔جس سے یہ بات تو کم ازکم واضح ہوگئی کہ صبح کاذب رات کے کہیں درمیان میں طلوع ہوکر غائب نہیں ہونا چاہیئے بلکہ احادیث کی رو سے فجرین کا یہ مجموعہ رات کے اخیر میں ظاہر ہونا چاہیئے جس میں پہلے کی صورت وکیفیت دوسرے سے جدا ہوگی۔

کتاب مذکور کی تاویلیں:

کتاب زیرِ تبصرہ میں اتنی بڑی حقیقت سے صرف نظر فرما کر ایک ایسی توجیہ کی گئی ہے، جس سے بروجی روشنی کو صبح کاذب قرار دینے کے لئے راہ ہموار ہو رہی ہو۔ مثلاً صفحات مذکورہ میں بار بار یہ الفاظ دہرائے گئے کہ:

''خلاصہ یہ ہے کاذب کی صفت کا مآل اس کے صبح ہونے کی نفی ہے، .. کیونکہ اصل اور حقیقی فجر ایک ہی ہے،، اور کاذب حقیقت میں صبح نہیں بلکہ وہ حقیقت میں لیل ہے، اس لئے حقیقی صبح و فجر سے (جو کہ نہار میں داخل ہے) اس کا کوئی تعلق نہیں، بہر حال شریعت کی طرف سے مستطیل کذب السرحان بیاض کو کاذب قرار دے کر اس کے کسی بھی جہت سے صبح ہونے کی نفی اور حقیقی لیل ہونے کا اثبات کر دیا ہے۔ جس کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مستطیل درحقیقت فجر یا صبح ہے ہی نہیں'' ....

.... (صفحات نمبر ۳۲، ۳۳، ۳۴)

یہاں سوال یہ ہے کہ جب اس بات میں نزاع ہی نہیں کہ صبح کاذب کے ساتھ کوئی حکم دن کا متعلق نہیں ہے اور اس کا حکم بالکل رات کا ہی ہے تو پھر اس متفق علیہ حقیقت کے باوجود کتاب مذکور میں حقیقی لیل، حقیقی لیل، صبح ایک ہی ہے، کاذب صبح یا فجر ہے ہی نہیں جیسے دعووں پر اتنا زور کیوں دیا جا رہا ہے؟ ۱۸ یا ۱۵ درجے کے اختلاف میں ایسی بعید تر استنباطات کا سہارا کیوں لیا جا رہا ہے؟ وہ کون سی مجبوری تھی جس کی خاطر اتنا غور و فکر

بروئے کار لایا گیا؟

دراصل بات یہ ہے کہ کتاب مذکور کا اصل مقصود (**Main Target**) بر و جی روشنی کو صبح کاذب ثابت کرنا ہے۔اور وہ اس وقت تک ان حضرات سے ثابت ہو نہیں سکتی جب تک صبح کاذب کا ظہور وغیوب رات کے اخیر (یعنی جب کاذب کا طلوع صبح صادق سے قبل ہو) ہٹا کر رات کے کہیں درمیانی حصے میں نہ لایا جائے۔اور یہ مقصد اس وقت آسانی کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک قاری کے ذہن میں ''درحقیقت ایک صبح ،کاذب کا حقیقی لیل ہونا'' وغیرہ وغیرہ جدید تصورات پکے نہ ہو جائیں۔کیونکہ بر و جی روشنی رات کے درمیان میں سال کے چند مہینوں میں طلوع ہو کر صبح صادق کے ظہور سے کافی دیر پہلے غائب ہو جاتی ہے،اوراس کے بعد کافی دیر تک گھٹا ٹوپ اندھیرا ہی چھایا ہوتا ہے۔لہٰذا اس کے حقیقی لیل میں کوئی کلام نہیں۔تو اس کو کاذب تسلیم کروانے کے لئے یہ کوشش کی گئی کہ بار بار صبح کاذب کے بارے ان جدید استنباطات کا سہارا لیا گیا۔

حالانکہ رویات اور اقوال فقہاء کرام سے جو سیدھا سادھا مفہوم واضح طور پر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ صبح کاذب رات کے اخیر میں طلوع ہو کر خاص وقفے کے بعد جونہی غائب ہو جائے تو اس کے فوراً صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔جس پر دیگر احادیث وروایات کے علاوہ اذان بلال بالکل صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔

اذان بلالؓ اور صبح کاذب :

قائلین ۱۵ والے حضرات کہتے ہیں کہ اذان بلالی صبح کاذب کے طلوع پر دی جاتی تھی۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک وہی وقت ۱۸ درجے زیر افق کا بنتا ہے۔ان

حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اذان اس لئے دی جاتی تھی کہ تہجد پڑھنے والے متنبہ ہو کر صبح کی نماز کی تیاری کریں یا اگر کسی نے وتر کی نماز نہیں پڑھی وہ وتر پڑھیں اور اگر کسی نے سحری کرنی ہے تو وہ جلدی جلدی سحری کھائیں۔اور یہ ساری چیزیں قریب صبح صادق کے ہی ہوتے ہیں۔ اگر بلالؓ اس ڈیوٹی پر مامور تھے تو ان کے پاس اور کیا نشانی ہو سکتی تھی جس سے صبح صادق کے قریب ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا؟ کیونکہ بغیر کسی نشانی کے اذان رات کے ابتدائی یا درمیانی حصے میں بھی دینا ممکن تھا جس کا مذکورہ بالا امور میں سے کوئی فائدہ سامنے نہ آتا۔لہٰذا صبح کاذب ہی واحد علامت ہے جس وقت اذان دیکر مذکورہ بالا مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

جبکہ قائلین ۱۸ والے حضرات فرماتے ہیں کہ سیدنا بلالؓ کی اذان سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے اذان دیتے تھے۔ یہ حضرات دو وجوہات کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں :ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک ''بروجی روشنی'' صبح کاذب ہے۔چونکہ بروجی روشنی رات میں صبح صادق سے بہت دیر پہلے طلوع ہوتی ہے لہٰذا بلالؓ کی اذان کو صبح کاذب کیساتھ تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ بروجی روشنی صبح کاذب نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ کہ یہ حضرات فرماتے ہیں'' بلالؓ اس لیئے اذان دیتے تھے تاکہ لوٹیں تم میں نماز پڑھنے والے اور اٹھیں تم میں سونے والے۔اس سے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سونے سے جاگنے کے لئے اور سحری کھانے کے لیئے صبح کاذب کا دیکھنا ضروری تھا ؟ مگر اس کا جواب مذکورہ بالا دلیل سے ہو جاتا ہے کہ ان امور کیلئے صبح کاذب کا دیکھنا ضروری تو نہیں تھا، مگر رات کے آخری اور صبح صادق کے طلوع سے تھوڑی دیر پہلے کے

وقت کی تعیین کیلئے ضروری تھا۔بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس تھوڑے وقفے میں خصوصاً سحری کیسے کھائی جاسکتی ہے؟ مگر اس کا جواب ہمیں احادیث ہی سے مل جاتا ہے کہ اس وقت ان بزرگوں کی سحری ایک تو یہ کہ نہایت سادہ تھی ،دوسری بات یہ بالکل اخیر وقت میں ہوا کرتی تھی ،اور ایسی سحری کیلئے مختصر وقت بھی کافی ہوسکتا ہے۔بخاری اور مسلم کی حدیث ہے:

عن ذید بن ثابت قال تسحرنا مع النبی ﷺ ثم قام الیٰ الصلوٰۃ قلت کم کان بین الاذان والسحور قال قدرخمسین آیۃ .... (رواہ مسلم، بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

ترجمہ: زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہﷺ سحری کھائی ،اس کے بعد آپ نماز کیلئے کھڑے ہوگئے۔(راوی کہتا ہے)میں نے کہا اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا (زید نے کہا) پچاس آیات پڑھنے کے برابر۔

پھر یہی واقعہ فتح الباری میں ابن حبان اور نسائی کے حوالے سے یوں نقل کیا گیا ہے:

عن انس قال قال لی رسو ل اللہ ﷺ یا انس انی ارید الصیام اطعمنی شیئاً ،فجئتہ بتمر واناءٍ فیہ ماء ،وذالك بعد ما اذن بلال :قال : یا انس انظر رجلاً یاکل معی : فدعوت زید بن ثابت ،فجاء فتسحر معہ ثم قام فصلی رکعتین،ثم خرج الی الصلوٰۃ ....(فتح الباری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا روزے کا ارادہ ہے لہٰذا سحری کے طور پر کچھ کھلا دو۔ پس میں کچھ کھجور اور ایک برتن میں پانی لے آیا۔ پھر فرمایا کہ کوئی شخص ڈھونڈو جو میرے ساتھ کھائے میں نے زید بن ثابت کو بلایا۔ زید نے آپ ﷺ کیساتھ سحری کھائی پھر کھڑے ہو کر دو رکعات نماز پڑھی، پھر نماز کیلئے باہر تشریف لے گئے۔

اس پورے واقعے سے یہ معلوم ہوتا کہ انکی سحری کیلئے دس منٹ بھی بالکل کافی تھے۔ علاوہ ازیں صریح حدیث مرفوع سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ سیدنا بلالؓ صبح کاذب کے وقت اذان دیا کرتے تھے تا کہ جس کی سحری فوت ہونے والی ہے وہ لوگ اس معمولی وقفہ صبح صادق تک باقی ہے، سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام چلاسکیں۔ تحفۃ الاحوزی بشرح جامع الترمذی میں ایک روایت ہے:

واما حديث ابى زر فاخرجه الطحاوى فى شرح الآثار بلفظ : قال رسول لله ﷺ لبلالؓ انك تؤذن اذا كان الفجر ساطعاً وليس ذالك الصبح انما الصبح هكذا معترضاً كذا فى نصب الرايه ـ............. .(تحفة الاحوذى بشرح جامع الترمذى ،مجلد:٣،صفحه نمبر ٣١٩ ،)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو فرمایا کہ تم جو اذان دیتے ہو اس وقت فجر کی روشنی اونچائی کی طرف ہوتی ہے، جو کہ صبح (صادق) نہیں ہے صبح صادق تو وہ ہے جس کی روشنی دائیں بائیں پھیلی ہوئی ہو“

اختلاف کس چیز میں؟

اس کو دیکھ کر کتاب مذکور میں صفحہ نمبر ۵۷ حاشیہ نمبر ۱، میں جواباً فرمایا گیا ہے کہ:
" اقول هذا حكمة ولايدار الحكم على الحكمة" (۱) ترجمہ: یہ (اذان بلالی کے وقت لوگوں کو سحری کا موقع ملنا) ایک حکمت ہے، جب کہ حکمت پر حکم کا کوئی دارومدار نہیں، مگر مبنی بر عذر یہ جملہ کسی طرح بھی قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ حکمت مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لہذا اسی حکمت کو کوئی شخص اپنے لئے مفید نہ سمجھتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس کی مرضی ہے یعنی ایک حقیقت کو ثابت ہونے کے بعد اسی حکمت سے استفادہ کی کسی کو ضرورت ہو یا نہ ہو، یہاں یہ موضوع زیر بحث نہیں ہے، یہاں جس چیز کا جھگڑا چل رہا ہے، وہ یہ ہے کہ صبح کاذب اور صبح صادق کے ظہور کا منظر کیا ہے؟ کیا کاذب رات کے درمیان میں کہیں طلوع ہو کر غائب ہو جاتی ہے اور پھر گھنٹوں بعد صبح صادق کی روشنی ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ اس نظریے پر ۱۸ درجے کا نقشہ مبنی ہے۔ اور یا صبح کاذب رات کے اخیر میں طلوع ہو کر خاص وقفے کے بعد جونہی غائب ہو جائے تو اس کے فوراً بعد صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

یہاں حکمت پر مدار حکم کی بات نہیں ہو رہی بات جو چل رہی ہے وہ صبح کاذب وصادق کے وقت ظہور کی چل رہی ہے اور یہ بات الحمدللہ احادیث بالا سے واضح طور پر ثابت ہوگئی۔ کہ فجرین رات کے اخیر میں ظہور ہوتے رہے۔

''الفجر فجران'' سے استشہاد:

یہاں چند ایسی احادیث کا تذکرہ بھی امید ہے، کہ فائدے سے خالی نہیں

ہوگا،جن میں الفجر فجران کا بیان موجود ہے:

(۱)....صحیح ابن حزیمہ میں "باب ذکر بیان الفجر الذی یجوز صلوة الصبح بعد طلوعه" کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: اذ الفجر فجران،...الخ

(۲)..... عن ابن عباسؓ ،ان رسول اللہ ﷺ قال: الفجر فجران فجر یحرم فیه الطعام ویحل فیه الصلوٰة،وفجر یحرم فیه الصلاة ویحل فیه الطعام "

(۳)....باب الدلیل علی ان الفجر همافجران ،و ان طلوع الثانی منها هو المحرم علی الصائم الاکل والشرب والجماع،لاالاول، رواه صحیح ابن حزیمه

(٤).....باب الفجر فجران ودخول وقت الصبح بطلوع الآخر منهما ـــــــ عن جابر بن عبد اللهؓ قال قال رسول الله ﷺالفجر فجران فاماالفجر الذی یکون کذنب السرحان فلا یحل الصلوٰة ولایحرم الطعام واماالذی یذهب مستطیلاً فی الافق فانه یحل الصلوٰة ویحرم الطعام، رواه السنن الکبری للبیهقی

(٥).....الفجر فجران فاماالفجر الاول فانه لایحرم الطعام ولا یحل الصلاة واما الثانی فانه یحرم الطعام و

یحل الصلاۃ ،الحاکم عن ابن عباس ، رواہ السیوطی فی

جامع الاحادیث ۔

(٦)..... <u>الفجر فجران</u>:فاماالفجرالذی یکون کذنب

السرحان فلایحل الصلاۃ،ولایحرم الطعام الخ رواہ فی

کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال۔

قطع نظر اس بات سے کہ صبح کاذب شرعاً اور حکماً رات کا حکم رکھتی ہے اور صبح صادق ہی سے شرعی طور پر صوم وصلوٰۃ کے احکام متعلق ہوجاتے ہیں، ان روایات سے اتنی بات تو کسی فن کے جانے بغیر واضح طور پر سمجھ آنی چاہیئے کہ صبح کاذب اور صادق دونوں کو ''فجر'' کا نام دے کر ظاہری طور پر ایک قرار دیا گیا، البتہ شرعی احکام کو مدنظر رکھ کر حکمت بالغہ کے تحت اس کی تقسیم کو ضروری سمجھی گئی۔جس پر آگے عبارت :فاماالفجر الاول فانہ لایحرم الطعام ولا یحل الصلاۃ واما الثانی فانہ یحرم الطعام و یحل الصلاۃ '' صریح دلالت کررہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ پہلی روشنی کے ظہور پر متنبہ کیا جارہا ہے کہ کہیں اس سے دھوکہ کھا کر اس (بیاض مستطیل) پر ہی صوم وصلوٰۃ کا مدار نہ رکھا جائے۔

یہاں نہایت قابل توجہ بات یہ ہے کہ بقول قائلین ۱۸ درجے کے صبح کاذب اگر رات کے درمیانی حصے میں ظاہر ہونے کے بعد غائب ہوجائے اور ابھی گھنٹوں رات باقی ہو، یا سال کے تقریباً ۱۰ مہینوں میں اس کا وجود ہی نہ ہو بلکہ رات کے اخیر میں ظاہر ہونے والی کوئی بھی روشنی صبح صادق ہی ہو، تو سوال یہ ہے کہ اس صورت میں دھوکے کیا تک بنتی ہے،جس سے احادیث مبارکہ میں اتنے اہتمام کے ساتھ متنبہ فرمانا

ضروری ٹھہرا؟ اس کی صرف اور صرف یہ صورت ہی تو بن سکتی ہے کہ فجرین کا ظہور رات کے آخری حصے میں ہو اور ان کے درمیان فاصلہ نہ ہو بلکہ پہلے کی غیبوبت کے بعد ہی دوسرے کا ظہور ہو۔ اور یہی نقشہ احادیث میں ''لا یغرنکم ...''، ''....حتی یستطیر....'' اور ''الفجر فجران'' کے مفاہیم سے مستفاد ہوتا ہے۔ صراحت کے ساتھ مزید دو حوالے ملاحظہ ہوں: ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

قال ابن الملك وهو الفجر الكاذب يطلع اولاً مستطيلاً الى السماء ثم يغيب و بعد غيبوبته بزمان يسير يظهر الفجر الصادق" .... (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲، ص ۳۴۹)

ترجمہ: ابن مالکؒ نے فرمایا کہ یہ صبح کاذب ہے جو، جو لمبی آسمان کی طرف ہوتی ہے، پھر یہ غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔

اسی طرح مجدد الطریقت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی تحریر آخر میں ملاحظہ فرمائیں:

'' شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں ناواقف خوش ہو جاتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعۃً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہا جاتا ہے................

....(بصائر حکیم الامت ص ۴۵۱)

مذکورہ بالا حوالوں میں صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان وقفے کو ''ثم'' یا ''تھوڑی ہی دیر'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان وقفہ گھنٹوں نہیں بلکہ منٹوں کے حساب سے ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کاذب صبح صادق سے کچھ تھوڑے ہی وقفہ پہلے طلوع ہوکر بالکل صبح صادق کے طلوع سے پہلے غائب ہوجاتی ہے پھر اس کے فوراً بعد صبح صادق ظاہر ہوجاتی ہے۔اور طحاوی کی حدیث میں تو بالکل صراحت کیساتھ بیان فرمایا گیا کہ بلالؓ اس وقت اذان دیا کرتے تھے جب صبح کاذب طلوع ہوجاتی تھی،اور یہی حقیقت '' حتی یستطیر'' کا مصداق ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

صبح صادق کی بیاض، معترض اور اس کی صفت مستطیر یعنی منتشر ہے

(صفحہ نمبر۳۴...تا...۳۸)

اس میں کوئی نزاع نہیں۔

''

صبح صادق وکاذب کے بارے میں رسوم ناقصہ اوران میں تطبیق

........صفحہ نمبر ۴۸ تا صفحہ نمبر ۷۵.........

کتاب مذکور میں اختیار کردہ ''اصول تطبیق'' پر پہلے ہی کہیں تفصیلی بحث ہوچکی ہے ۔یہاں اشارۃ ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔وہ یہ کہ یہ عجیب اصول ہیں جو محض ''بعض مقامات''، ''بعض اوقات''،''بعض موسم'' ''ممکن ہے کہ فلان زمان وفلاں مکان'' میں ''فلان فلان'' ہو وغیرہ وغیرہ، کے الفاظ سے تطبیق دی جارہی ہو۔گویا کہ جزئی طور پر سب اقوال درست ہیں،مگر تطبیق دے کر نتیجۃً وہی بات ٹھیک ہونی چاہیئے جو تطبیق دینے والے کی رائے ہو۔حالانکہ یہ بات بلادلیل درست نہیں ہے۔

مثلاً کتاب مذکور میں جگہ جگہ تحریر ہے کہ:ممکن ہے کہ بعض علاقوں میں صبح کاذب کوصبح صادق سے بہت پہلے دیکھی گئی ہو اور جن بزرگوں نے صبح صادق اور صبح کاذب کے درمیان کم ترین وقفہ(گویا کہ اتصال)ذکر کیا ہے،تو ممکن ہے کہ ان حضرات نے اپنے علاقوں میں اسی مقدار کے حساب سے دیکھی ہو۔چونکہ پہلی صورت قائلین ۱۸ کی مؤید ہے اور دوسری صورت قائلین ۱۵ کی لہٰذا محترم مصنف نے قائلین ۱۵والی تائیدی روایت سے جواب کے طور پر یہ فرمایا کہ ممکن ہے کہ بعض علاقوں میں ان کے درمیان وقفہ کم ہو اوراسی کوتطبیق کا نام دے کر پہلی صورت (یعنی ۱۸والے قول) کودرست قرار دے دی۔

حالانکہ قائلین ۱۵والے یہ اعتراض کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ تطبیق اگر اسی کا

نام ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن اس میں پہلے قول کو ''اصل'' اور دوسرے کو ''ممکن ہے'' کے زمرے میں ڈالنے پر کیا دلیل ہے؟ تطبیق بالا کے برعکس ''ممکن ہے'' جیسے الفاظ کی بنیاد پر تو تطبیق اس طرح بھی دی جاسکتی ہے، کہ صبح کاذب اور صادق کے طلوعین کے درمیان وقفہ قلیل (یعنی ۳ درجے کا) ہوتا ہے، چنانچہ اوّل کے غیوب اور ثانی کے طلوع کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہوتا ہے۔ ہاں جن بزرگوں سے ان (فجرین) کے درمیان زیادہ وقفہ منقول ہے، ممکن ہے کہ وہاں کے بعض علاقوں میں بعض موسم کے اعتبار سے بعض عوارض کی بنا پر ایسا ہو۔ اب بتا دیجئے گا کہ اس دوسری تطبیق کے قبول کرنے میں کیا مانع ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ دعوی کے طور پر بات کوئی بھی کریگا تو اس پر لازم ہوگا کہ دلیل پیش کرے۔ اب اگر کسی کے نزدیک یہ بات واقعی درست ہے اور اس کو تجربہ ہے کہ فجرین کے درمیان دورانیہ اختلاف ازمنہ وامکنہ کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ تو بہت اچھی بات ہے مگر ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم اسے اس وقت تک قبول کرنے کی پوزیشن قطعاً نہیں ہیں جب تک ان علاقوں اور موسموں کا تعین نہ کیا جائے جن میں فجرین کے درمیان وقفہ کسی سبب کی بنیاد پر مختلف ہوتا رہتا ہو۔ ورنہ ''ممکن ہے'' کے الفاظ سے کوئی بھی شخص فائدہ اٹھا کر اپنا مطلب نکال سکتا ہے۔ کتاب مذکور کے زیر بحث صفحات میں تطبیق کے تذکرے اور اس پر تبصرے سے پہلے مختصراً کچھ معارضہ اور تطبیق کے بارے میں عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

معارضہ:

معارضہ کے حوالے سے اصول فقہ میں بہت تفصیلی کلام کیا گیا ہے،جس میں معارضہ کی تعریف اس کی اقسام،اس کی مختلف صورتیں اس کے ازالے کے طریقے،مثلاً نسخ،تطبیق وترجیح اور وجوہات ترجیح وغیرہ ابحاث شامل ہیں۔ہم یہاں اصول فقہ کی کتاب نہیں لکھ رہے ہیں تا کہ ان تمام ابحاث کا احاطہ ضروری ہو، بلکہ جن باتوں سے مذکورہ بالا عبارت کا تجزیہ ہوسکے اسی پر یہاں اکتفاء کیا جائے گا۔لہٰذا یہاں معارضہ کی تعریف ملاحظہ ہو:

اذا ورد دليلان يقتضى احدهم عدم مايقتضيه الآخر فى محل واحد فى زمان واحد فان تساويا قوة ،او يكون احدهما اقوى بوصف هو تابع فبينهماالمعارضة ....(شرح التلويح على التوضيح)

ترجمہ: جب دو دلیلیں ایک محل اور ایک زمانہ میں اس طور پر اکھٹے ہوجائیں کہ وہ ایک دوسرے کے مقتضاء کے خلاف تقاضاء کررہی ہوں ،پس اگر وہ قوت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں یا ایک وصف تابع میں دوسرے پر زیادہ قوی ہوتو (دونوں کے)اس (صورت حال) کومعارضہ کہا جاتا ہے۔

اتحاد محل وزمان کے قیودات سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں دلائل کا محل یا زمانہ ایک نہیں ہیں تو اسے معارضہ نہیں کہا جائے گا۔جس کے لئے تطبیق وغیرہ کی ضرورت پڑ

جائے مثلاً:

(۱)......ایک آدمی کہتا ہے کہ ضلع صوابی میں یکم جون کو 05 بجے سورج طلوع ہوتا ہے دوسرا شخص کہتا ہے کہ ضلع صوابی میں یکم دسمبر کو تقریباً 6:58am پر سورج طلوع ہوتا ہے اب ان دونوں اوقات میں واضح طور پر دو گھنٹے کے قریب کا فرق پایا جاتا ہے مگر اس کو کوئی بھی شخص معارضہ نہیں کہتا کیونکہ ان میں اتحاد زمانہ نہیں پایا جاتا۔

(۲)......اسی طرح ایک اور شخص کہتا ہے کہ کراچی میں یکم جون کو 5:42am پر سورج طلوع ہوتا تو اس کے درمیان بھی واضح طور پر فرق پایا جاتا ہے اب اس صورت میں اگر چہ وقت ایک ہے یعنی یکم جون کو ہی طلوع شمس کی بات ہورہی ہے مگر اس کو بھی کوئی شخص معارضہ اس لئے نہیں کہتا کہ یہاں ان دو اقوال میں اتحاد محل نہیں پایا جاتا۔

(۳)......اسی طرح ایک اور شخص ہے جو کہتا ہے کہ ملتان میں یکم مئی کو طلوع آفتاب 5:32am پر ہوگا لہٰذا یہ صورت بھی کسی شخص کے نزدیک معارضہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اتحاد زمان ومکان دونوں مفقود ہیں۔

مذکورہ بالا مثالوں میں فن فلکیات کا ادنی طالب علم بھی یہ تکلف نہیں کریگا کہ ان اقوال میں چونکہ تعارض ہے لہٰذا تطبیق کے طور پر وہ یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ ہوسکتا ہے یہ بعض امکنہ وازمنہ کے اعتبار سے اقوال مختلفہ منقول ہوں، اور اس تطبیق کے نتیجے میں صوابی ،کراچی اور لاہور، سب کے لئے طلوع شمس کا ایک ہی وقت (یعنی یکم جون کو 5 بجے) بتلائے۔ بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ ان اقوال میں نہ معارضہ ہے اور نہ اختلاف تاکہ کسی قسم کے تکلفانہ تطبیق کی ضرورت پڑ جائے۔

صبح کاذب (جو کہ درحقیقت زوڈیکل لائٹ ہے) کے حوالے سے جو تطبیق کا سلیقہ اختیار فرمایا گیا ہے، یہ بعینہ طلوع شمس کے مذکورہ بالا مثالوں کے قبیل سے ہے۔لہٰذا اگر بات اسی طرح ہے کہ فقہاء کے اقوال میں صبح کاذب سے مراد واقعی بروجی روشنی ہے جو بسبب اختلاف زمان ومکان صبح صادق سے پہلے تقدیم وتاخیر کے ساتھ منقول ہے۔ اسی طرح صبح صادق سے مراد واقعی فلکی شفق ہے اور انہی دونوں روشنیوں کے درمیان فرق باختلاف زمان ومکان مختلف منقول ہے تو اختلاف زمان ومکان کو مدنظر رکھ کر یہ ایسا دعوی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں طلوع شمس کے اختلاف کو ذکر کیا گیا۔غالبًا اسی کو تطبیق کی صورت پر حمل کیا گیا ہے۔چلو ٹھیک ہے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں مگر اس کے باوجود بنا بر فلکی اصول ضروری تھا کہ جدید تحقیق کے رو سے (صوابی اور کراچی کی طرح) عدم اتحاد مکان کا باضابطہ ثبوت پیش فرما دیا جاتا، کہ شمالاً جنوباً فلاں فلاں درجات تک زوڈیکل لائٹ اتنی تقدیم وتاخیر کے ساتھ نظر آتی ہے۔

جب یہ بات طے ہو جاتی تو پھر اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ کتاب مذکور میں جن بزرگوں کے اقوال کو اسی (یعنی صبح کاذب کا صبح صادق سے بہت زیادہ پہلے ظاہر ہو کر پہلے ہی غائب ہونے) پر حمل کئے گئے ہیں، تو کیا ان حضرات نے واقعی انہی علاقوں میں یہی مشاہدات کئے ہیں یا نہیں؟ یعنی فجرین کے درمیان وقفے کے حوالے سے جن فقہاء کے اقوال کو زیادہ اور کم وقفے پر حمل کئے گئے ہیں آیا ان حضرات کے علاقوں میں فنی طور پر یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ انہی علاقوں میں واقعی بروجی روشنی اور فلکی شفق کے درمیان اتنا فرق ہے جتنا فقہاء نے نقل فرمایا ہے؟ ورنہ یہ

کوئی فنی بات نہیں ہوگی کہ صبح کاذب کی روشنی تو سورج کی منعکس روشنی تسلیم کی جائے مگر اس کا ظہور کسی باضابطہ اصول وقاعدے سے خارج کر کے ایک مجہول قاعدے ''بعض امکنہ وازمنہ'' سے متعلق مان لیا جائے۔

تطبیق کا معنی:

تطبیق باب تفعیل سے ہے اس کا مجرد ہے 'طبق'' جس کا معنی ہے: الطبق :غطاء کل شیء ،والجمع اطباق ،وطبق کل شیء :ماسواہ (لسان العرب)

اصطلاحاً تطبیق کا مطلب ہے: دو یا دو سے زیادہ روایات (جو ظاہری طور پر ایک دوسرے کے متضاد نظر آتے ہوں ان) کے درمیان ایسی توجیہ وتاویل کرنا جو من وجہ سب پر صادق آجائے۔یعنی ایسا معنی نہ کیا جائے جس کا اطلاق ایک پر تو صحیح ہو مگر دوسری روایت کی اس سے نفی لازم آتی ہو۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ اصول فقہ کی رو سے جب ظاہری طور پر دو یا زیادہ روایات کا آپس میں تعارض اس طرح سامنے آجائے کہ ایک قول کسی امر کے اثبات کے مقتضی ہو تو اس کے برعکس دوسرا قول اسی امر کی نفی کررہا ہو، تو اس صورت حال میں اصولی پر تین باتیں سامنے آتی ہیں؛

اول یہ کہ دونوں اقوال میں جمع ممکن ہو۔اور یہ اس طرح کہ دونوں اقوال میں سے کسی ایک میں بھی حکم اور دلالت کے اعتبار سے کسی قسم کی تبدیلی نہ آجائے ،یعنی توجیہ کے بعد حاصل شدہ حکم کو کسی بھی قول کی طرف فرداً فرداً متوجہ کیا جائے تو بغیر کسی تبدیلی کے وہ حکم اسی قول کا مدلول کہا جاسکے ورنہ اس کو جمع نہیں کہا جائے گا۔اور اصطلاح میں اسی کا نام تطبیق کہلاتا ہے،ایک مثال یہ علماء نے نقل کی ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ' کل

بدعة ضلالة" مگراس کے برعکس فقہاء کے کلام میں یہ پایا جاتا ہے کہ " البدعة قد تکون مباحة " پس یہ دونوں باتیں آپس میں متعارض ہیں۔مگران دونوں کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے فقہاء کہتے ہیں کہ اوّل میں امور شرعیہ مراد ہیں جبکہ دوسرے میں امور دنیویہ جو خلاف شرع نہ ہوں وہ مراد ہیں۔ لہٰذا دونوں باتیں درست ثابت ہوگئیں۔

دوم یہ کہ وجہ اجتماع موجود نہ ہوالبتہ وجہ ترجیح ممکن ہو۔یعنی دونوں کے درمیان کوئی ایسی توجیہ ممکن نہ ہوجس سے دونوں اقوال اپنی دلالت نہ کھوجائیں،تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ آیا ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکتی ہے؟اب ظاہر ہے کسی ایک جانب بنسبت دوسری جانب کچھ قوت موجود ہوگی تو اسی کو اختیار کیا جاسکے گا ورنہ بلا وجہ کسی ایک قول کو اختیار کرنا اور دوسرے کو ترک کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا۔

سوم یہ کہ ان میں سے کوئی بھی نہ پایا جائے اس صورت میں اذا تعارضا تساقطا کی بنیاد پر دونوں اقوال نا قابل استدلال ہوکر ساقط ہوجائیں گے۔(۱)

کتاب مذکور کی تطبیق؟

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ کتاب زیر تبصرہ میں جو طریقہ تطبیق اختیار فرما کر نتیجہ نکالا گیا ہے واقعی تطبیق کے حدود میں داخل ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں:

"اگرچہ اس قسم کے اقوال میں بعض حضرات نے تو ترجیح کی صورت کو اختیار کیا ہے،مگر بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اختیار فرمایا

(۱) ملاحظہ ہو اصول بزدوی والتلویح

ہے۔فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق اس قسم کے مسائل میں تطبیق، ترجیح پر مقدم ہوتی ہے۔لہٰذا ہم نیک نیتی سے اس سلسلے میں تطبیق کے اصول کو ہی حقائق ودلائل کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں (۱)،جس کی جدید تحقیق سے بھی تائید ہوتی ہے(۲)،،اور متعدد فقہاء کرام نے اس کو اختیار بھی فرمایا ہے،پس جن حضرات نے صادق سے پہلے منفصلاً بیاضِ مستطیل کے وجود کا قول کیا،اور جن حضرات نے اس کے صادق سے متصل ہونے کا قول کیا، یہ مختلف زمانوں پر محمول ہوگا ،اسی طرح جن حضرات نے جملہ ازمنہ میں اس کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا اور جن حضرات نے اس کا انکار کیا یہ اختلاف مختلف امکنہ پرمحمول کیا جائے گا۔اورالغرض یہ سب اختلاف،ازمنہ وامکنہ کا اختلاف قرار دیا جائے گا۔اور شفق ابیض کے غروب کے بعد بیاض مستطیل کے بارے میں بھی مذکورہ تفصیل جاری ہوگی۔ اب تطبیق کا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں اس مشکل کا حل بھی نکل آتا ہے، جو بعض حضرات کو اس صورت میں پیش آتی ہے کہ

---

(۱) کون سے حقائق ودلائل مراد ہیں؟

(۲) یہاں مصنف کو چاہئے تھا کہ جدید تحقیق سے ان علاقوں کا تعین فرمائیں جہاں فجرین کے علامات میں تقدیم وتاخیر، تقلیل وتکثیر اسی طرح وجود وعدم وجود وغیرہ پائے جاتے ہوں۔ پھر اس تطبیق کو بروجی روشنی اور فلکی فلق پر منطبق کردیں ۱۲

مختلف فقہاء کرام کی صبح کاذب کے ضمن میں بیان کردہ علامات کو جملہ ازمنہ وامکنہ میں جب صادق آتا ہوانہیں دیکھتے تو یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ صبح کاذب نہیں۔ پس تفصیل مذکور کے مطابق یہ بات ممکن ہے کہ بلاد معتدلہ میں بعض زمانوں میں بیاضِ مستطیل کا ظہور صبح صادق سے پہلے متصلاً ہو اور بعض اوقات منفصلاً ہو، اور بعض مقاموں میں اس کا ظہور پورے سال ہوتا ہو، اور بعض میں سال کے صرف بعض حصوں میں ہوتا ہوں۔ اور یہی حالت شفق ابیض کے غروب کے بعد بیاضِ مستطیل کی بھی ہو۔ مختلف ازمنہ وامکنہ میں جن حضرات فقہاء نے جیسا مشاہدہ کیا، اس کے مطابق انہوں نے رسومِ ناقصہ کے درجے میں علامات بیان کردیں، ورنہ درحقیقت نہ ان حضرات کے اقوال میں ٹکراؤ ہے اور نہ ہی ان کے مشاہدات غلط ہیں۔ .... (ص ۳۹،۴۰)

مذکورہ بالا تفصیلی کلام کی ضرورت اس لئے پڑی تاکہ اقوال مختلفہ کی تطبیق کے نتیجے میں ۱۸ درجے پر پوری دنیا میں صبح صادق ثابت کیا جائے۔ عبارت بالا مندرجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

(۱)....... اگرچہ اس قسم کے اقوال میں بعض حضرات نے تو ترجیح کی صورت کو اختیار کیا ہے، مگر بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اختیار فرمایا ہے۔ فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق اس قسم کے مسائل میں تطبیق، ترجیح پر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم نیک نیتی سے اس

سلسلے میں تطبیق کے اصول کو ہی حقائق ودلائل کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔

(۲)......جس کی جدید تحقیق سے بھی تائید ہوتی ہے.....،اور متعدد فقہاء کرام نے اس کو اختیار بھی فرمایا ہے۔

(۳)....بیاض مستطیل کا اتصال اور انفصال کو اختلاف ازمنہ وامکنہ پر محمول کیا جائے گا اور الغرض یہ سب اختلاف،ازمنہ وامکنہ کا اختلاف قرار دیا جائے گا۔....آگے لکھتے ہیں......پس تفصیل مذکور کے مطابق یہ بات ممکن ہے کہ بلاد معتدلہ میں بعض زمانوں میں بیاضِ مستطیل کا ظہور صبح صادق سے پہلے متصلاً ہو اور بعض اوقات منفصلاً ہو،اور بعض مقاموں میں اس کا ظہور پورے سال ہوتا ہو،اور بعض میں سال کے صرف بعض حصوں میں ہوتا ہوں۔اور یہی حالت شفق ابیض کے غروب کے بعد بیاضِ مستطیل کی بھی ہو۔

(۴)...... اب تطبیق کا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں اس مشکل کا حل بھی نکل آتا ہے،جو بعض حضرات کو اس صورت میں پیش آتی ہے کہ مختلف فقہاء کرام کی صبح کاذب کے ضمن میں بیان کردہ علامات کو جملہ ازمنہ وامکنہ میں جب صادق آتا ہوا نہیں دیکھتے تو یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ صبح کاذب نہیں۔

(۵)......مختلف ازمنہ وامکنہ میں جن حضرات فقہاء نے جیسا مشاہدہ کیا،اس کے مطابق انہوں نے رسومِ ناقصہ کے درجے میں علامات بیان کردیں،ورنہ درحقیقت نہ ان حضرات کے اقوال میں ٹکراؤ ہے اور نہ ہی ان کے مشاہدات غلط ہیں۔

ذیل میں ان تمام جزئیات پر مشتمل ایک تفصیلی کلام پیش کیا جارہا ہے،کوشش

کریں گے کہ جس عبارت سے جس نمبر کا جواب ہو رہا ہو وہاں حاشیہ میں اس کی نشاندہی کی جائے۔ نتیجہ تطبیق سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مذکور میں، نام تطبیق کا استعمال کیا گیا ہے مگر نتیجہ ترجیح کا نکالا گیا ہے۔ کیونکہ تطبیق کی تشریح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تطبیق میں متعارض نصوص کا لحاظ رکھا جاتا ہے یعنی من وجہ دونوں پر عمل ہو جائے۔ جیسا کہ تطبیق کی بحث میں واضح ہے۔ یہاں مصنف نے پہلے تحریر فرمایا ہے کہ :

> ''اگرچہ اس قسم کے اقوال میں بعض حضرات نے تو ترجیح کی صورت کو اختیار کیا ہے، مگر بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اختیار فرمایا ہے'' ....(صفحہ ۱۳۸)

اب یہاں اتنی بات تو واضح ہے کہ ترجیح کے رو سے بعض اقوال ۱۸ درجے کی رائے کی تائید کرتے ہیں جبکہ بعض اقوال سے ۱۵ درجے قول کی تائید ہوتی ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں قسم کے اقوال میں تطبیق کا راستہ اختیار کرنے کے باوجود کیسے بات جا کر ۱۸ درجے پر ہی رک گئی؟ کیا اس طریقہ تطبیق کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ صبح صادق و کاذب کے حوالے سے درجات کی کوئی تعیین نہیں؟ بلکہ ہوگا اس طرح کہ ہر علاقے کی صبح صادق کا طلوع اس علاقے کے اعتبار سے مختلف ہوگا یعنی کہیں پر ۱۸ درجے تو کہیں پر ۱۵ درجے یا بعض علاقوں کا اس سے بھی مختلف؟

آپ یہ (بدرجہ امکان نتیجہ) سن کر پریشان نہ ہوں، کیونکہ انہی اختلافات کو مدنظر رکھ کر علماء کا ایک گروہ آج کے اس سائنسی دور میں اس کا قائل ہوگیا ہے، اور باقاعدہ اپنے اس موقف پر مختلف زبانوں میں تصنیفات شائع کی ہیں۔ اوران میں بعض لوگ ایسے بھی

ہیں جو جدید فن فلکیات میں اپنا لوہا پوری دنیا میں منوا چکے ہیں۔میری مراد امریکہ میں رہنے والے مشہور ماہر فلکیات جناب ڈاکٹر خالد شوکت صاحب ہیں ۔اس کے علاوہ برطانیہ میں ''حزب العلماء یوکے'' کے نام سے ایک تنظیم کام کر رہی ہے انہوں نے اس موقف پر باقائدہ تصانیف کی ہیں ۔محترم مصف کے اصول تطبیق سے ان حضرات کی تصدیق تو کہیں نہیں ہورہی ؟ ذیل میں اسی رائے کے لوگوں کا کچھ مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے: مولانا یعقوب احمد مفتاحی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

'' کتاب کے حصہ اول میں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ حزب العلماء یوکے کی ماتحتی میں برطانیہ کے شہر بلیکرن لنکا شائر میں محرم الحرام ۱۴۰۸ھ سے لے کر محرم ۱۴۰۹ھ (بمطابق ستمبر ۱۹۸۷ء سے اگست ۱۹۸۸ء) تک فجر وعشاء کی نماز کے اوقات کے سال بھر کے مشاہدے کیئے گئے اور حزب العلماء یوکے کی دعوت پر مورخہ ۱۵ شعبان ۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۸۸ء بروز ہفتہ اور دوسری مرتبہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ مطابق جنوری ۱۹۸۹ء بروز پیر برطانیہ کے علماء کے دو اجلاس منعقد ہوئے۔ان اجلاسوں میں جمیعۃ العلماء برطانیہ،مرکزی جمیعۃ العلماء برطانیہ اور حزب العلماء یوکے کے علماء کرام نے فجر وعشاء کے اوقات کے مشاہدات پر تفصیلی بحث ومباحثہ اور مشاہدین پر جرح وقدح کے بعد طے کیا کہ چونکہ آبزرویٹری کے مفروضہ حساب کے مطابق حاصل کردہ ان

نمازوں کے اوقات اور مشاہدات کے ان اوقات میں مماثلت کے بجائے بین فرق ہے۔اس لئے شرعی اصول اور مفتیان کرام کے فتاویٰ کے مدنظر آبزرویٹری والوں کے سورج کے زیر افق بارہ، پندرہ یا اٹھارہ درجات کے مطابق اوقات غلط ہیں اور اب سے ان نمازوں کے لئے مشاہدات کے اوقات پر عمل کیا جائے۔"(۱)

ڈاکٹر خالد شوکت صاحب اور دیگر حضرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسلم ماہرین فن میں سے پروفیسر الیاس سلمہ ودیگر حضرات کے علاوہ ڈاکٹر خالد شوکت صاحب کہ جن کی آسٹرونومی کے حساب کی علمیت سے کسی کو انکار نہیں، انہوں نے صرف علمیت پر اکتفاء کرنے کے بجائے مزید برسوں پر محیط تحقیق وریسرچ میں مشغولیت کو اپنا شیوہ بنایا، خاص کر ڈاکٹر خالد شوکت صاحب نے نہ صرف اہل فن بلکہ عوام الناس خصوصاً مسلمانوں کے سامنے اپنی دس سالہ ریسرچ کا نتیجہ پیش کیا کہ تھیوریاں اوران کے حسابات اپنی جگہ مگر مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کا جہاں تک تعلق ہے۔

ریسرچ وتحقیق کا نتیجہ پندرہ یا اٹھارہ وغیرہ آفتاب کے زیرافق کی

---

(۱) فجر وعشاء اور برطانیہ میں نماز روزہ اوقات وقبلہ کیلنڈر، مولوی یعقوب احمد مفتاحی، ناشر: حزب العلماء یوکے، طبع اول: محرم ۱۴۲۸ھ / جنوری ۲۰۰۷ء صفحہ نمبر ۳،۴)

ڈگریوں کے مفروضہ حسابات کے ماتحت فجر وعشاء کے اوقات کو حتمی جاننا غلط ہیں، موصوف کا یہ ریفرنس اس کتاب کے پہلے حصہ میں اور مزید ان کی ویب سائٹ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے ،(۱) موصوف اپنی اس تحقیق میں اگرچہ اکیلے نہیں جیسے کہ گذرے ماہرین کے تجربات وآپسی اختلافات اس کی بین دلیل ہے، ـــــــــــــــــ موصوف کے ہم شکر گزار ہیں کہ آپ نے علمائے برطانیہ اور'' حزب العلماء یو کے'' کے علاوہ خود میری اردو کتاب ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' کا تعارف اپنی عالمی ویب سائٹ پر غائبانہ اور بلا رابطہ کر دیا جو اللہ کی طرف سے انہیں عطاء کردہ نعمت یعنی فجر اور ن عشاء کے اوقات میں درجات وڈگریوں کے ۱۵ یا ۱۸ درجات وغیرہ کے غیر معتمد ہونے کی دس سالہ جستجوئے حق وتحقیق کے'' تاریخی نتیجہ'' کے لئے نہ صرف تجرباتی اور پریکٹکل ثبوت تھا بلکہ خود یہ تاریخی نتیجہ ،قرآن اور صاحب شریعت ﷺ و'' اہل فن کے اپنے اپنے فلکیاتی مفروضہ نظریات میں آپسی اختلافات''، حقیقی وجوہ پر روشنی کا منار بھی ثابت ہوا۔ (۲)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان حضرات کے نزدیک صبح صادق کے لئے کوئی خاص درجہ متعین

---

(۱) ویب سائٹ:www.moonsighting.com

(۲) فجر وعشاء اور برطانیہ میں نماز روزہ اوقات وقبلہ کیلنڈر.........صفحہ:۶، اور ۸

کے علاوہ کوئی بھی عدد ہوسکتا ہے۔آپ اگر مصنف کے اصول تطبیق پر غور فرمائیں کہ:

’’ہوسکتا ہے کہ بعض مقامات میں صبح کاذب اور صادق کے درمیان وقفہ زیادہ ہو اور بعض خطوں میں یہ وقفہ کم ہو اسی طرح بعض موسموں کے اعتبار سے یہ وقفہ مختلف ہوسکتا ہو‘‘ ’’پس تفصیل مذکور کے مطابق یہ بات ممکن ہے کہ بلاد معتدلہ میں بعض زمانوں میں بیاض مستطیل کا ظہور صبح صادق سے پہلے متصلاً ہو اور بعض اوقات منفصلاً ہو،اور بعض مقاموں میں اس کا ظہور پورے سال ہوتا ہو،اور بعض میں سال کے صرف بعض حصوں میں ہوتا ہوں۔اور یہی حالت شفق ابیض کے غروب کے بعد بیاضِ مستطیل کی بھی ہو۔مختلف ازمنہ وامکنہ میں جن حضرات فقہاء نے جیسا مشاہدہ کیا،اس کے مطابق انہوں نے رسومِ ناقصہ کے درجے میں علامات بیان کردیں‘‘اور الغرض یہ سب اختلاف،ازمنہ وامکنہ کا اختلاف قرار دیا جائے گا ‘‘

قطع نظر اس سے کہ ’’حزب العلماء یوکے‘‘ کا موقف درست ہے یا غلط،مصنف کی اس تطبیق کو پڑھ کر اس سے مذکورہ بالا ’’حزب العلماء‘‘ کے فیصلوں کی تصدیق نہیں ہو رہی ہے؟ تعجب کی بات یہ ہے کہ کاذب اور صادق کی روشنیوں کے درمیان وقفہ تو خود مصنف مختلف بیان فرما رہے ہیں مگر اس سے جو نتیجہ نکال رہے ہیں وہ پوری دنیا کے لئے ۱۸ درجے ایک ہی ثابت کر رہے ہیں۔حالانکہ جن علاقوں میں ۱۸ کے مطابق صادق وکاذب کا ظہور ہو رہا ہے وہاں کے لئے تو چلو یہ بات مان لی جائے مگر جن خطوں میں

اس کے برعکس مشاہدات ہوئے ہیں وہاں بھی ۱۸ درجے کے قول کا کیا مطلب؟ اسی کو بنیاد بنا کر تو حزب العلماء نے تعین درجات کا انکار کیا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ ان اصول تطبیق کو متعارف کراتے ہوئے مصنف کے سامنے یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ نہیں؟

فجرین کے درمیان وقفہ کے بارے میں مختلف روایات

کتاب مذکور میں اس حوالے سے ۴۰ کے اوپر روایات نقل کی گئی ہیں، ان کا تجزیہ کر کے سب کو چار اقسام میں تقسیم کی جاسکتی ہیں: اس حوالے سے علماء اور فقہاء کرام سے چار قسم کی عبارات منقول ہیں جس کی درجہ بندی اور تفصیل ذیل میں عرض کی جارہی ہے:

(۱) وہ اقوال جن میں مطلق زمانے کا تذکرہ پایا جاتا ہو:

یہ عبارات کتاب مذکور ص ۴۱، پر نمبر ۵ میں درج ہے۔ بالکل اسی طرح آگے مجمع الانہر کی عبارت نمبر ۶، بدائع الصنائع کی عبارت نمبر ۷، تحفۃ الفقہاء کی عبارت نمبر ۸، منیۃ المصلی کے حوالے سے عبارت نمبر ۹، مراقی الفلاح کی عبارت نمبر ۱۰، شرح چغمینی کی عبارت نمبر ۱۱ کے الفاظ: کان لون الافق بعده مظلماً۔۔۔بعده بزمانٍ، ردالمحتار کی عبارت نمبر ۱۲، ان کے علاوہ صفحہ نمبر ۴۸ پر عبارت نمبر ۱۵ میں علامہ آلوسیؒ کا یہ قول: وھو ما یبدو مستطیلاً و اعلاہ اضوء من باقیه ثم ینعدم و تعقبه ظلمة، حنابلہ کی کتاب الاقناع کی عبارت نمبر ۲۱ صفحہ

نمبر ۵۱،حنابلہ کی کتاب الفروع لابن مفلح کی عبارت نمبر ۲۲ صفحہ نمبر ۵۱،حنابلہ کی کتاب کشاف الاقناع عبارت نمبر ۲۴،صفحہ نمبر ۵۲،حنابلہ کی کتاب العمدۃ عبارت نمبر ۲۶،صفحہ نمبر ۵۲ کے الفاظ:ثم یسود الافق اگرچہ وقفہ یسیر پر حمل کئے جاسکتے ہیں،ان سب عبارات میں فجرین کے درمیان مطلق وقفے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ اقوال جن میں زمانہ یسیر مذکور ہو:

۱۔ شوافع کی کتاب حاشیتا قلوبی وعمیرہ میں ہے:

(والصبح)یدخل وقتها(بالفجر الصادق،وهو المنتشر ضوءه معترضاًبالافق)ای نواحی السماء بخلاف الکاذب،وهو یطلع قبل الصادق مستطیلاً،ثم یذهب ویعقبه ظلمة(کتاب بالاص ۵۳)

۲۔ قال ابن الملك وهو الفجر الکاذب یطلع اولاً مستطیلاً الی السماء ثم یغیب و بعد غیبوبته بزمان یسیر یظهر الفجر الصادق "........(مرقات شرح مشکوۃ ج۲،ص۳۴۹)

۳۔ ''شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں ناواقف خوش ہوجاتا ہے کہ تاریکی گئی۔پھر دفعتہً وہ نور زائل ہوجاتا ہے اور تاریکی چھاجاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہا جاتا ہے................

....(بصائر حکیم الامت ص ۴۵۱)

٤۔ ” ان التفاوت بین الشفقین بثلاث درجه کما بین فجرین... (۳) ترجمہ: **یعنی دونوں شفق (البیض والاحمر) اور فجرین (فجر کاذب وفجر صادق) کے درمیان صرف ۳ تین درجے کا فرق ہوتا ہے۔**..(رد المختار جلد ۱ صفحه ۳٦۱)

۵۔ احمد بن غنیم بن سالم انفرادی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والحاصل ان الفجر معناه البیاض ویتنوع الی کاذب وصادق و کلاهمامن نور الشمس الا ان الکاذب لاینتشر لدقته وینقطع بالکلیة اذا قرب زمن الصادق والصادق ینتشر لقربها ویعم الافق (الفواکه الدوانی ،باب فی بیان معرفة اوقات الصلاة بحواله کتاب مذکور ص ٦٠)

٦۔ حاشیہ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب الربانی میں بھی کچھ اس طرح منقول ہے: حاصله ان الفجر معناه البیاض ویتنوع الی کاذب وصادق و کلاهمامن نور الشمس الا ان الکاذب لاینتشر لدقته وینقطع بالکلیة اذا قرب زمن الصادق

(مصدر الکتاب : موقع الاسلام)

دونوں عبارات کے خط کشیدہ الفاظ میں کتنی صراحت کے ساتھ فجرین یعنی صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان وقفہ نہایت قلیل بتلایا ہے۔

۷۔ شوافع کی کتاب المجموع شرح المهذب میں ہے:

الفجر فجران احدهمایسمی الفجر الاول والفجر الکاذب و

الآخريسمى الفجر الثانى والفجر الصادق ،فالفجر الاول يطلع مستطيلاً نحو السماء كذنب السرحان وهو الذئب ثم يغيب ذالك ساعةثم يطلع الفجر الثانى الصادق مستطيراً۔

(بحوالہ کتاب مذکور ص ۵۴)

اس عبارت میں فجرین کے درمیان وقفے کا تذکرہ اگرچہ ''ساعۃ'' کے ساتھ کیا گیا ہے، جو کہ کم وزیادہ مختلف دورانیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے،مگر احادیث کا عمومی مفہوم اورعبارت بالا کے الفاظ ''الفجر فجران'' جو کہ ایک وحدت کا تقاضاء کررہے ہیں قرینہ بن کراس سے ''زمانہ یسیر'' مراد لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، جب کہ لغت کی رو سے اس میں گنجائش بھی پائی جاتی ہو۔اس پر لسان العرب کی مندرجہ ذیل عبارت سے روشنی پڑتی ہے:

والساعة فى الاصل تطلق بمعنيين: احدهما ان تكون عبارة عن جزء من اربعة وعشرين جزءاً هى مجموع اليوم والليلة ،والثانى ان تكون عبارة عن جزءٍ قليل من النهاراوالليل۔يقال:جلست عندك ساعة من النهار اى وقتاً قليلاً منه .... (لسان العرب)

ترجمہ:الساعۃ بنیادی طور پر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے پہلا یہ کہ اس سے مراد گھنٹہ جو کہ پورے دن رات کا چوبیسواں حصہ ہے،دوسرا یہ کہ یہ عبارت ہو دن رات کے مختصر جزء سے،مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں آپ کے پاس ایک ساعت کے لئے بیٹھ گیا

مراد یہ کہ مختصر وقت کے لئے۔

اب عبارت بالا میں ''ساعۃ'' سے مراد گھنٹہ لینے کا کوئی قرینہ نہیں کیونکہ اس قسم کی عبارات میں گھنٹوں کا استعمال غیر معروف ہونے کی وجہ سے قلیل زمانہ ہی لیا جا سکتا ہے۔

(۳) تیسری قسم جن میں بہت زیادہ وقفہ مذکور ہو:

مثلاً کتاب زیرِتبصرہ کی عبارات نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، وغیرہ جن میں صبح کاذب کو درمیان لیل یا بعض موسم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

(۴) چوتھی قسم جن میں وقفہ کم وبیش ہوتا رہتا ہو:

۱۔ مثلاً عبارات نمبر ۳۴ جو کہ علامہ ابن حجر الہیثمیؒ نے فرمایا ہے:۔۔۔والظاھر ان مرادھم مطلق الزمنِ، لانھا تطول تارۃ و تقصر اخری ۔۔۔اس کی وضاحت ان شاءاللہ آگے آنے والی ہے۔

۲۔ کتاب مذکور میں یہاں مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے:

واعلم ان الصبح الکاذب لیس بمقدر بتقدیر وقت معین
بل قد یزید وقد ینقص کما سرح الفقھاء واحداً بعد واحد
بل ربما لا یکون مبصراً خلاف ما قال اھل الھیأۃ۔

(العرف الشذی للکاشمیریؒ ج ۱ ص ۲۹) بحوالہ کتاب مذکور ص ۴۸

مگر معمولی غور کرنے سے بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں فجرین کے درمیان وقفے (ظلمۃ) کی بات نہیں ہو رہی ہے کہ وہ کم وبیش ہوتا رہتا ہو بلکہ صبح کاذب کی بات

ہورہی ہے۔کتاب مذکور میں جو درجنوں حوالے نقل فرمائے گئے ہیں سب انہی چار قسموں پر مشتمل ہیں، جن میں فجرین کے درمیان وقفے کے حوالے سے مختلف صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔اب ان اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''اگر چہ اس قسم کے اقوال میں بعض حضرات نے تو ترجیح کی صورت کو اختیار کیا ہے، مگر بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اختیار فرمایا ہے۔فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق اس قسم کے مسائل میں تطبیق، ترجیح پر مقدم ہوتی ہے۔لہٰذا ہم نیک نیتی سے اس سلسلے میں تطبیق کے اصول کو ہی حقائق ودلائل کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں'' (ص ۳۸)

یہاں اس بات کی سمجھ تو نہایت آسان ہے کہ بعض حضرات نے بعض روایات کو ترجیح دے کر ۱۵ درجے کا قول اختیار کیا ہوگا اور بعض نے ۱۸ درجے کے مطابق اقوال کو ترجیح دی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ ''طریقہ ترجیح'' سے ہٹ کر ''طریقہ تطبیق'' اختیار کر کے کیا نتیجہ آنا چاہیئے؟ اگر ''طریقہ تطبیق'' سے استدلال کے نتیجے میں بھی ۱۸ درجے کا اثبات مقصود ہے، تو اس کو ان سب اقوال میں تطبیق کا نام کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ تو بعینہ ۱۸ درجے قول کی ترجیح ہوگئی، کیونکہ جو اقوال ۱۵ درجے کے اثبات کا تقاضاء کررہے ہیں کیا تطبیق پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

دوسری بات یہ کہ تطبیق کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہر قول کو انفراداً لے کر اس نتیجے پر پیش کیا جائے تو وہ اس کا مصداق ٹھہر سکتا ہو حالانکہ یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ مثلاً اقوال قسم نمبر۲ سے بالکل صراحت کے ساتھ ۱۵ درجے کی تائید اور

۱۸ درجے کا ابطال ہوتا ہے اب ان روایات واقوال کی رو سے زوڈیکل لائٹ کو صبح کاذب اور اسٹرونومیکل ٹویلائٹ کو صبح صادق کس طرح قرار دیا جائے گا؟ جبکہ تطبیق کی بنیاد بھی یہ ہو کہ ''ہوسکتا ہے بعض علاقوں میں فجرین کے درمیان وقفہ بعض حضرات نے زیادہ مشاہدہ کیا ہو جیسا کہ اقوال نمبر۳ اور بعض حضرات نے بعض علاقوں میں ان کے درمیان وقفہ نہایت کم مشاہدہ کیا ہو'' تو کیا اس تطبیق کو سامنے رکھ کر ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ جن علاقوں میں بعض حضرات نے فجرین کے درمیان فرق جو کم مشاہدہ کیا ہے ان علاقوں کے لئے ۱۵ درجے کا قول درست قرار دیا جائے؟ باوجود یہ کہ اس صورت میں یہ مشکل ضرور پیش آئے گی کہ ان علاقوں کا تعین کیسے کیا جائے گا جن میں ان اقوال کی روشنی میں ''بعض ازمنہ وامکنہ'' کی بنیاد پر فجرین کے درمیان وقفہ کم تر تسلیم کیا گیا ہے؟

کیا یہ ممکن نہیں؟

مذکورہ بالا اقوال کو سامنے رکھ کر ذیل میں ایک تطبیق پیش کی جارہی ہے، کہ اصول تطبیق کو سامنے رکھ کر کیا اس کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ وہ یہ کہ مذکورہ بالا تمام اقوال کو سامنے رکھ کر رات کے اندھیرے میں افق شرقی پر نمودار ہونے والی روشنیوں یعنی صبح صادق اور کاذب کو دو صورتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اوّل یہ کہ فجرین کے درمیان (یعنی جب صبح کاذب کی روشنی جاتی رہے اور پھر اس کے بعد صبح صادق کی روشنی نمودار ہو تو کاذب کے غیوب اور صادق کے ظہور کے درمیان) وقفہ کافی زیادہ ہو، جیسا کہ قول نمبر۳۔ دوم یہ کہ فجرین کے درمیان وقفہ کم تر ہو

(یعنی صبح کاذب غائب ہونے کے فوراً بعد صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہوجائے۔جیسا کہ عبارت نمبر۲ میں ظاہر ہے۔

اب ان دونوں اقوال میں یا تطبیق ہوگی یا طریقہ ترجیح کو اختیار کیا جائے گا۔تطبیق کی بات تو ذکر کی جاچکی ہے کہ وہ اس طرح ہو کہ دونوں اقوال پر من وجہ عمل ہوجائے اور وہ بقول مصنف ''بعض ازمنہ وامکنہ'' کے فارمولے کی رو سے یہ ہونا چاہیئے کہ بعض علاقوں کے لئے ۱۸ اور بعض کے لئے ۱۵ پر عمل کیا جائے۔دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کس قول کی تائید باہر سے خارجی عوامل کرتی ہیں؟ تاکہ اسی کو ترجیح دے کر دوسرے کو مرجوح قرار دے دیا جائے،چنانچہ اس صورت میں ۱۵ یا ۱۸ درجے میں سے ایک قول کو ہی اختیار کرنا پڑے گا۔اب اگر مصنف نے ان تمام اقوال کو نقل کرکے نتیجہ ۱۸ درجے پر ہی جاکر روکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ محترم مصنف نے تطبیق نہیں بلکہ ترجیح کو اختیار فرمایا ہے۔جبکہ ان کا دعویٰ اس کے برعکس ہے۔

تفصیل:

اس کی یہ ہے کہ وہ اقوال (یعنی قسم نمبر۱) جن میں فجرین کے درمیان مطلق زمانہ بتایا گیا ہے۔اب اس سے اگر زیادہ زمانہ مراد لیا جائے تو قول نمبر۳، کی تائید ہوتی ہے جس سے ۱۸ درجے کا اثبات ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد کم وقفہ لیا جائے تو قول نمبر۲ کی تائید ہوتی ہے جس سے ۱۵ درجے کا اثبات ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد کبھی کم کبھی زیادہ ہو تو اس سے کیا ثابت ہوگا؟ اس سے قول نمبر۴ کی تائید ہوتی ہے چنانچہ اس سے بعض علاقوں میں ۱۸ جبکہ بعض میں ۱۵ درجے ثابت ہوگا۔مگر اس میں مشکل یہ پیش آئیگی کہ

ان علاقوں کا تعین ان مختلف اقوال کی روشنی میں ہونا چاہیئے اور یہ کام نہایت مشکل ہے۔اگرچہ کتاب مذکور میں تو اس سے بھی ۱۸ درجے ثابت کئے گئے ہیں مگر اس کا بطلان ظاہر ہے۔

اب ان پیچیدگیوں کے ہوتے ہوئے قول نمبر ا، کے ساتھ کیا کیا جائے؟ آیئے دیکھتے ہیں جن بزرگوں نے اپنی تحریرات میں فجرین کے درمیان وقفے کا ذکر کرکے اس کو مطلق زمانے سے تعبیر کیا ہے انہوں نے اس ''زمانے'' کی کوئی تشریح بھی کی ہے یا نہیں؟

فقہاء کرام نے تو زیادہ سے زیادہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ وقفہ کبھی کم کبھی زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ قول نمبر ۴ میں منقول ہے اس پر بحث آگے آرہی ہے البتہ ماہرین فن فلکیات نے یوں وضاحت کی ہے۔التصریح کے حاشئے پر تحریر ہے:

سمی بذالك لانه يعقبه ظلمة يكذبه فانه اذا طلع الصبح الثانی انعدم ضوء الصبح الاول وجه الاندفاع انه لايعقبه ظلمة بل يخفی عن البصر لضعفه وغلبة الضوء الشديد الطاری عليه ... (حاشیہ نمبر ۱، التصریح ص ۶۸، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ)

ترجمہ: اس کو صبح کاذب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد اندھیرا آجاتا ہے جو اس صبح کی تکذیب کر دیتا ہے۔پس جب صبح ثانی (یعنی صادق) طلوع ہوتی ہے تو پہلی صبح (کاذب) کی روشنی ختم ہوجاتی ہے اور (حقیقت میں) اس روشنی کے بعد (رات کی) تاریکی آتی نہیں بلکہ (اصل میں کاذب کی روشنی کے) غائب

ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ (روشنی) اپنی کمزوری اور صبح صادق کی زیادہ روشنی کی آنے کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ''تعقبہ الظلمۃ'' جہاں اس کا ذکر مطلق کیا گیا ہے، اس سے مراد حقیقۃ رات کی تاریکی نہیں بلکہ یہ فجرین کی روشنیوں کے اختتام اور ابتداء کے درمیان ایک باریک منظر ہوتا ہے جو بظاہر اندھیرا سا نظر آجاتا ہے درحقیقت جس طرح رات کا اندھیرا ہوتا ہے اسی طرح حقیقتاً رات نہیں ہوتی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ وقفہ نہایت کم ہی ہونا چاہیئے۔ اب یہ کم وقفہ اگر ایک منٹ ہے مثلاً ،تو ہوسکتا ہے کہ افق پر گردوغبار یا کسی عارض کی وجہ سے یہ ایک منٹ کی بجائے دو، تین منٹ ہو جائے ،اور یہی چوتھے قول کی حقیقت ہے، تو اس کمی بیشی کے باوجود اس وقفے کو قلیل ہی کہا جائے گا کیونکہ تیسرے قول میں جس (زیادہ) وقفے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہر حال زیادہ ہے۔ اس کی بنسبت اگر فجرین کے درمیان وقفہ دو، تین منٹوں میں گردش کر کے کم وبیش ہوتا رہے تو یہ قلیل کے زمرے سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ تیسرا قول جس میں یہ وقفہ نہایت زیادہ بتلایا گیا ہے ان تینوں اقوال کی رو سے درست نہیں ہے۔ یاد رہے کہ موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر جن روشنیوں کو کاذب وصادق کہا جارہا ہے جدید ماہرین فن ان کے

درمیان اسی طرح بہت زیادہ وقفے کے قائل ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ صفحہ نمبر ۳۸ تا صفحہ نمبر ۶۵، تک جو اقوال فقہاء ذکر کر کے تطبیق کا طریقہ اختیار فرمایا گیا تھا اس کے نتیجے میں جو ۱۸ درجے پر صبح صادق کا اثبات مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر درست نہیں معلوم ہوتا:

(۱)........ایک یہ کہ اس سے بعینہ وہی نتیجہ نکالا گیا جو ترجیح کو مدنظر رکھ کر ۱۸ درجے پر صبح صادق کے قائلین کرتے ہیں۔

(۲)......دوم یہ کہ تطبیق کے لئے جو طریقہ استعمال کیا ہے وہ ایک مجمل اور مجہول سا بیان ہے۔مثلاً لکھتے ہیں کہ ''ممکن ہے کہ بعض ازمنہ وامکنہ کے حساب سے فجرین کے درمیان وقفہ مختلف رہا ہو'' حالانکہ یہ نہیں سوچا گیا کہ جن علاقوں میں فجرین کے درمیان وقفہ زیادہ ہے ان کے لئے انہی اقوال کی بنیاد پر تو صبح صادق ۱۸ درجے پر ماننا درست ہوگا مگر جن علاقوں میں خود بقول مصنف ہی فجرین کے درمیان وقفہ کم مشاہدہ کیا گیا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسے علاقوں کے لئے ۱۸ درجے پر صبح صادق کا قول کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

(۳)......کتاب مذکور میں ۲۸ صفحات میں کل ۴۳ روایات منقول ہیں ان تمام روایات کا منطقی تجزیہ کر کے مندرجہ بالا اقوال سامنے آتے ہیں۔ان کو پیش نظر رکھ کر بنیادی طور پر فجرین کے درمیان وقفے کو دو طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک یہ کہ ان کے درمیان وقفہ بہت کم ہو جیسا کہ قول ثانی یا بہت زیادہ ہو جیسا کہ قول ثالث میں۔ان کے علاوہ پہلا اور چوتھا قول جب ان دو اقوال (قول نمبر۲ اور نمبر۳) پر پیش کئے گئے تو تطبیق سے

معلوم ہوا کہ یہ دونوں قول نمبر۲ کے ساتھ جوڑ کھا سکتے ہیں کمامر۔

(۴)......اس کے علاوہ احادیث کے عمومی مفہوم سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ فجرین کے درمیان ''کم وقفہ'' تسلیم کیا جائے۔جس پر احادیث میں ''غـرر'' پر تنبیہ، اسی طرح کلمہ ''حتـی یستـطیر'' کیونکہ صبح کاذب کی روشنی اگر غائب ہو جائے، اور اس کے بعد ابھی رات کا کافی اور مستقل حصہ باقی ہو تو اس منظر سے کس کو دھوکہ ہو سکتا ہے کہ پہلی روشنی صبح صادق تھی؟ یہ تو تب ہو جب کہ فجرین ایک دوسرے کے قریب ہو کر معمولی سی غفلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو کر مغالطے کا سبب بن سکتا ہو۔لہٰذا معلوم ہوا کہ تطبیق دیتے ہوئے قول نمبر۱، اور نمبر۴، سے قول نمبر۲ کی تائید ہوتی ہے۔اور جب قول نمبر۲ (جس میں فجرین کے درمیان زمانہ یسیر یعنی مختصر وقفہ مذکور ہو) باقی دو اقوال کے ساتھ مؤید ہو گیا تو اب اسی کو راجح قرار دے کر قول نمبر۳ کو ترک کرنا پڑے گا۔

قول نمبر۳ کی مزید تفصیل:

یہاں اس بحث میں مزید یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ قول نمبر۳ کا کوئی اور محل بھی تو کہیں نہیں ہے؟ اس سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ صبح کاذب کی روشنی کس چیز کی روشنی ہے؟ مختلف عبارات اور اقوال سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ روشنی سورج کی روشنی ہے مگر صادق سے رنگ وصورت میں مختلف ہوتی ہے مثلاً: کتاب مذکور کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

والحـاصـل ان الـفـجـر مـعناه البياض ويتنوع الى كاذب وصـادق و كلاهمامن نور الشمس الا ان الكاذب لاينتشر لـدقتـه ويـنـقـطع بالكلية اذا قرب زمن الصادق والصادق

ینتشر لقربھا ویعم الافق (الفواکه الدوانی ،باب فی بیان معرفة اوقات الصلاة بحواله کتاب مذکور ص ٦٠)

اب آتے قول نمبر۳ کی عبارات کی طرف جن میں صبح کاذب اور صادق کے درمیان بہت زیادہ وقفہ مذکور ہو۔کتاب مذکور کی عبارت نمبر ۳۷، جوکہ شہابن الدین احمد بن ادریس القرافی مالکیؒ کی ہے، ملاحظہ ہو:

واول وقتھا طلوع الفجر المستطیر الصادق وھو الثانی ولا یعتبر الاول الکاذب وھوالذی لایمتد مع الافق بل یطلب وسط السماء وکثیر من الفقھاء لایعرف حقیقته ویعتقد انه عام الوجود فی سائر الازمنة وھو خاص ببعض الشتاء وسبب ذالك انه المجرة فمتی کان الفجر بالبلدة ونحوھا طلعت المجرة قبل الفجکر وھی بیضاء فیعتقد انھا الفجر فازا باینت الافق ظھر من تحتھا الظلام ثم یطلع الفجر بعد ذالك اما غیر الشتاء فیطلع اول اللیل او نصفه فلا یطلع آخره الا الفجر الحقیقی (الذخیرة،کتاب الصلاة ،الفصل السادس فی وقت الصبح ،بحواله کتاب مذکور ص ٦١)

فرماتے ہیں کہ اکثر فقہاء صبح کاذب کی حقیقت نہ سمجھتے ہوئے اس بات کے قائل ہوگئے کہ کاذب ہمیشہ نظر آنا چاہیئے حالانکہ یہ بعض موسم کے ساتھ خاص ہے اوراس کا سبب یہ کہ یہ کہکشاں ہے جوکہ صبح سے پہلے نمودار جاتی ہے تولوگ اسے صبح سمجھ لیتے ہیں مگر جب وہ

افق سے گزر جاتا ہے تو اس کے نیچے اندھیرا آجاتا ہے پھر اس کے بعد صبح صادق طلوع ہوجاتی ہے۔جبکہ غیر شتاء کے موسم میں رات کی ابتدائی حصے یا درمیان میں کہیں طلوع ہوتی ہے اور اخیر رات میں صرف صبح صادق ہی طلوع ہوتی رہتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس عبارت میں صبح کاذب کی روشنی کہکشاں کی روشنی قرار دی گئی ہے ،جوکہ شرعی صبح کاذب جس پر الفجر فجران صادق آجائے اس کے علاوہ ہے۔عبارات نمبر ۳۸، ۳۹ اور ۴۰ سب میں یہی تشریح منقول ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قول نمبر ۳ جس میں فجرین کے درمیان بہت زیادہ وقفہ منقول ہے،صبح کاذب کے علاوہ کوئی اور شئے ہے،جس کی وجہ سے ان بزرگوں کو خود مغالطہ ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ حطابی مالکیؒ یہی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماے ہیں: ونازعه غيره فى ذالك وقال انه مستمر فى جميع الازمنة وهو الظاهر (مواهب الجليل شرح مختصر خليل ص ۳۹۹،ج ۱ ،بحواله احسن الفتاوىٰ ج ۲،س ۱۸۱) علاوہ ازیں یہ احادیث کے عمومی مفہوم اور اقوال فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے ملاحظہ ہو''صبح ایک ہی ہے'' حصہ اول، کتاب ھٰذا۔

خلاصہ کلام یہ کہ کتاب مذکور میں ۴۰ کے اوپر فقہاء کرام کی عبارات نقل فرمائی گئی ہیں، جس کو خلط ملط نقل کر کے''بعض امکنہ وازمنہ'' کے نام پر تطبیق کے نتیجے میں یہ خلاصہ نکالا گیا ہے کہ بروجی روشنی صبح کاذب اور فلکی فلق صبح صادق ہیں۔مگر یہاں اس تجزیاتی مطالعہ میں یہ سامنے آیا کہ فجرین کے درمیان فقہاء کرام کے یہ سارے اقوال تقریباً ۴

قسم میں منحصر ہیں جن میں پہلی قسم کے اقوال وہ تھے جن میں فجرین کے درمیان وقفہ (یعنی ظلمت) مطلق ذکر کیا گیا ہو، دوسری قسم کے وہ تھے جن میں یہ اندھیرا بہت کم مذکور تھا۔ تیسری قسم میں بہت زیادہ منقول تھا جبکہ چوتھی قسم میں یہ وقفہ کبھی کم کبھی زیادہ ذکر کیا گیا تھا۔ مذکورہ بالا تفصیلی کلام میں یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ بنیادی طور پر قول نمبر۲ اور قول نمبر۳ میں تعارض پایا جاتا تھا، غور وفکر کے بعد بات واضح ہوگئی کہ قول نمبر۱، اور نمبر۴ سے قول نمبر۲ کی تائید ہوگئی لہٰذا قول نمبر۳ کو مرجوح قرار دے کر ترک کرنا ضروری ٹھہرا۔ اور یہاں آخری بحث میں قول نمبر۳ کے بارے میں یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ جس قسم کے اقوال میں زیادہ وقفہ منقول ہے ان حضرات کو کہکشاں یا زوڈیکل لائٹ سے دھوکہ ہوگیا ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر تو ان اقوال میں مذکور وقفے کا زیر بحث موضوع (یعنی فجرین کے درمیان اندھیرے پر مشتمل وقفے) کے ساتھ تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا قول نمبر۳ کا ترک اور بھی ضروری ٹھہرا۔ مختصر یہ کہ اقوال فقہاء کے درمیان تطبیق، ترجیح وغیرہ کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ فجرین کے درمیان وقفہ نہایت کم ہوتا ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر زوڈیکل لائٹ کو صبح کاذب اور آسٹرونومیکل ٹویلائٹ کو صبح صادق قرار دینا درست نہیں ہوسکا۔ کیونکہ ان دونوں روشنیوں کے درمیان بہت زیادہ وقفہ بھی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بروجی روشنی سال بھر نظر بھی نہیں آتی۔ یہ وہی بات ہوگئی جو کہ علامہ قرافی مالکیؒ نے لکھی ہے۔ جس پر کلام گزر چکا ہے کہ یہ ان حضرات کو مغالطہ ہوا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی قائلین ۱۸ والوں کو اسی سے مغالطہ ہو رہا ہے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

علامہ شامیؒ کے حوالے میں احتمالات

(صفحہ نمبر ۴۵ پر حاشیہ نمبر ا)

علامہ شامیؒ نے شفقین کی طرح فجرین کے درمیان ۳ درجے کا فرق تحریر فرمایا ہے۔ مگر کتاب مذکور میں علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں تین احتمالات ذکر کے اس بات کی نفی کردی گئی ہے کہ صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان وقفہ نہایت کم ہوتا ہے۔ حالانکہ شفقین (احمر وابیض) کے ساتھ تشبیہ دے کر صبح کاذب اور صادق کے درمیان ۳ درجے کا فرق علامہ شامیؒ کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے۔اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ہم غروب آفتاب کے بعد شفقین کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اول شفق احمر کو غائب ہوتے ہوئے افق پر بیاض مستطیر باقی رہا جاتا ہے جو تھوڑی دیر بعد وہ بھی غائب ہونا شروع ہو جاتا ہے، جس کی مقدار ۳ درجے بتایا گیا ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہے کہ شفق احمر کی انتہاء پر ہی افق پر شفق ابیض کی پٹی سامنے آجاتی ہے، تو اسی صورت کے ساتھ تشبیہ دے کر علامہ شامیؒ کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے ماسوائے اس کے کہ صبح کاذب کے غائب ہونے کے بعد صبح صادق کا طلوع ایسا ہی متصل مان لیا جائے جیسا کہ حمرۃ کے بعد شفق ابیض کا ظہور ہے؟ مگر کتاب مذکور میں اس صاف ستھری اور واضح روایت میں بھی تین احتمالات ذکر فرمائی ہیں۔ فرضی احتمالات ہر بات میں نکالے جا سکتے ہیں، یہ فن تو کوئی ایسا مشکل نہیں۔ مگر مناسب تب ہوتا ہے جب کہ کسی بھی احتمال کی کوئی معقول وجہ بھی موجود ہو۔

آیئے نقل کرتے ہیں کتاب مذکور میں ذکر کردہ احتمالات:۔

(۱).....ایک یہ کہ فجر کاذب وصادق مراد ہو۔۔۔اور اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ تفاوت صبح کاذب کے اختتام سے صبح صادق کی ابتداء کے درمیان ہو۔اس کی سیاق عبارت سے تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس سے پہلے علامہ شامی رحمہ اللہ نے صبح کاذب کے ختم ہونے کے بعد ظلمت پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے، اور اس کے فوراً بعد یہ فائدہ ذکر فرمایا ہے۔............. (کتاب مذکور ص ۴۵، حاشیہ نمبر۱)

اس توجیہ کا مطلب یہ بنتا ہے کہ جب صبح کاذب غائب ہو جائے تو اس کے غیوبت کے ۳ درجے بعد صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔یعنی جب صبح کاذب غائب ہو جائے تو اس کے بعد صبح صادق تک اندھیرے کا جو وقفہ ہوتا ہے وہ ۳ درجے کے برابر ہوتا ہے۔گویا کہ صادق کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے پورے آسمان میں مکمل طور پر اندھیرا چھایا ہوتا ہے۔دلیل کے طور پر سیاق عبارت کا حوالہ دیا جارہا ہے کہ چونکہ اس سے پہلے کاذب کے بعد اندھیرے کا ذکر ہے تو بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اس اندھیرے کی مقدار ۳ درجے ہے۔

بات بجا ہے کہ مقصود فجرین کے درمیان اندھیرے کا دورانیہ بتلانا ہے، یہاں تک تو بات درست ہے مگر اس طرف نظر نہیں فرمایا گیا کہ اس وقفے کی مقدار صرف ۳ درجے بتاتے ہوئے شفقین کے ساتھ تشبیہ کی کیا ضرورت تھی؟ تشبیہ دے کر ہی علامہؒ نے فجرین کے درمیان وقفہ سمجھایا ہے۔مطلب یہ کہ حمرۃ اور بیاضِ شفق جس صورت میں اور

جس مقدار میں غائب وظاہر ہوتے ہیں اسی طرح فجرین یعنی کاذب اور صادق طلوع ہوتے ہیں۔اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ شفقین میں سے حمرۃ اور بیاض کے درمیان کوئی اندھیرہ نہیں ہوتا چہ جائکہ اسے ۳ درجے قرار دیا جائے بلکہ دونوں کے اختتام ہی میں ۳ درجے کا فرق ہے تو بعینہ اسی طرح بالعکس فجرین کے طلوعین کے درمیان ۳ درجے کا فرق ہونا ضروری ہے۔یعنی صبح کاذب طلوع ہو تو ۳ درجے بعد صبح صادق طلوع ہو۔علامہ شامیؒ کا بیان یوں ہے:.....ان التفاوت بین الفجرین و کذا بین الشفقین الاحمرو الابیض انما ھو بثلاث درج "لہٰذا مذکورہ صدر توجیہ درست نہیں معلوم ہوتی۔

(۲)......دوسرے احتمال کے طور پر. آگے تحریر فرماتے ہیں''.اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تفاوت صبح کاذب کی ابتداء سے صبح صادق کی ابتداء کے درمیان ہو۔'' عبارت سے جو اصل مدعا ہے اسے یہاں دوسرے احتمال کی بنا پر بدرجہ امکان ذکر کیا۔حالانکہ یہی اصل مدعاء ہے علامہ شامیؒ کا اس عبارت سے۔

(۳)......''تیسرا احتمال یہ کہ فجرین سے مراد فجر ابیض اور فجر احمر ہو کیونکہ ہیئت کی اصطلاح میں ان دونوں کو بھی فجرین کہہ دیا جاتا ہے'' آگے اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے.... ''کہ شفقین سے یقیناً شفق ابیض کے ساتھ احمر مراد ہے''......حالانکہ یہاں یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ یہاں احکام فجر کا تذکرہ مقصود ہے،اور بالاتفاق صبح کاذب اور صادق ہیں ۔یعنی اول کو لیل کے حکم میں شامل کرنا تھا جبکہ ثانی کو نہار کا حکم دینا مقصود تھا، رہ گئی فجر کی حمرۃ تو اس کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہے ۔لہٰذا کاذب اور صادق کی صورت اور

دورانیہ کومثال سے سمجھاتے ہوئے شفقین کے ساتھ تشبیہ مناسب ہوا۔کیونکہ شفقین میں حمرۃ اور بیاض دونوں کے ساتھ بنا بر اختلاف فقہاء وقتِ عشاء کا تعلق پایا جاتا ہے۔

محترم مصنف کو چاہئے تھا کہ یہاں فلکیین کی تین فجروں کی بات ذکر نہ فرماتے جب کہ خود صرف ایک فجر کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ بات سیاق کلام کے بالکل متضاد جاتی ہے۔ بلکہ یہاں چاہئے تھا کہ نظر ''سیاق'' پر ڈال دی جاتی، کہ پہلے سے بات صبح کاذب اور صادق کی چل رہی ہے۔

علاوہ ازیں یہاں وہی بات دہرائی گئی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ رسم ناقص میں داخل ہے حالانکہ اس بات پر نہ کوئی نقلی دلیل موجود ہے نہ عقلی، اس کے علاوہ ''مختلف زمانوں اور مقاموں کے لحاظ سے تفاوت'' جیسے مجمل احتمالات سائنسی اور منطقی تحقیق کی بنیاد اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک ان بعض علاقوں اور زمانوں کا تعین نہ کیا جائے۔لہٰذا شامیؒ کی عبارت میں، ماسوائے اس کے کہ اس سے مراد فجرین کی ابتداء مراد لی جائے یعنی ان دونوں کی ابتداء میں ۳ درجے کا فرق ہو، اور کوئی احتمال نہیں پایا جاتا۔ایسا واضح مفہوم چھوڑ کر ادھر اُدھر کے احتمالات اگر نکالنا شروع کیا جائے تو احکام اسلام کا کون سا حکم محفوظ رہ سکتا ہے؟

سوال: فرضی احتمالات سے قطع نظر کر کے ایک عام آدمی سے اگر بتایا جائے کہ ''صبح کاذب اور صبح صادق کی روشنیاں یکے بعد دیگرے ایسی ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ شفق احمر اور شفق ابیض کا ظہور وغروب'' انصاف سے فرمایئے گا وہ سننے والا شخص اس خبر سے کیا مطلب لے گا۔۔۔؟

علامہ ابن حجر الہیتمیؒ کا حوالہ

........صفحہ نمبر ۵۵ تا صفحہ نمبر ۵۹ ....

کتاب مذکور میں صفحہ نمبر ۵٦ سے لے کر صفحہ ۵۹ تک ۴ صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی کلام نقل کیا گیا ہے۔ یہ کلام علامہ ابن حجر ہیثمی شافعیؒ نے تحفۃ المحتاج میں صبح کاذب اور صادق کے حوالے سے نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ واقعی علامہ صاحب نے اس میں فجر کے حوالے سے کوئی پہلوں نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اگر علامہؒ کی عبارت غور کے ساتھ پڑھ کر اس پر سوچا جائے تو مجھے یقین ہے کہ مسئلہ کافی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ یہی تفصیلی عبارت ہمارے محترم فاضل مصنف نے زیر تبصرہ کتاب ''صبح صادق و کاذب اور وقت عشاء کی تحقیق'' میں نقل فرمائی ہے اور جگہ جگہ نشاندہی کرتے ہوئے آگے نکل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان بزرگوں کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کاذب کا دورانیہ مختلف ہوتا ہے، صبح کاذب رات کے ابتدائے حصے میں ظاہر ہو کر صبح صادق سے کافی پہلے غائب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا بروجی روشنی کو صبح کاذب قرار دینا بالکل درست ہے۔ ہم ذیل میں اصل عبارت جس پر حضرت مصنف نے نشانات بھی لگائے ہیں پہلے من وعن کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ اول ان کی بات واضح ہو جائے:۔

(وھو) بیاض شعاعِ الشمسِ عند قربها من الأفقِ الشرقی

(الـمـنتشـرِ ضـوءُهُ مـعتـرضـاً بـالأفقِ) اي نواحى السمآءِ بـخـلاف الـكـاذبِ وهوَ مايبدومستطيلاً وأعلاهُ اضواُ من بـاقيـهِ، ثـم تـعـقبـهُ ظـلـمةٌ (تـنبيـهٌ) في تحقيقِ هذا وكونه مستـطيـلا كـلام طـويـل لاهـل الهيئة مبني على الحدس الـمبني على قواعد الحكمآءِ الباطلةِ شرعا من منع الخرق، والالتـئـام، او التـي لم يشهد بصحتها على انه لا يفى ببيان سبـب كون اعلاه اضوا مع انه ابعد من اسفله من مستمده وهـو الشـمس ولا ببيان سبب انعدامه بالكلية حتى تعقبه ظـلـمة كـمـا صرح به الائمة وقدروها بساعة، والظاهر ان مرادهم مطلق الزمنِ، لانها تطول تارة وتقصر اخرى وزعم بـعـض اهل الهيئة عدم اندامه وانما يتناقص حتى ينغمر فى الـفجر الصادق ولـعـله با عتبار التقدير لا الحس وفي خبر مسـلـمٍ (لا يـغـرنـكـم اذان بـلال ولا هـذا العارض لعمود الصبح حتى يستطير) اي ينتشر ذلك العمود اى فى نواحى الافـق ـ وقـد يـؤخذ من تسمية الفجر الاول عارضا للثانى شيئان احدهما انه يعرض للشعاع الناشئ عندالفجر الثانى انـحبـاسُ قرب ظهوره كما يشعر به التنفس فى قوله تعالىٰ (والـصبـحِ اذاتنفس) وعند ذلك الانحباس يتنفس منه شئ

مـن شبـه كـوـة، والـمشاهد فى المنحبس اذا خرج بعضه دفـعة ان يـكـون اولــه اكثـرمـن آخـره وهـذا لكون كلام الـصـادق قـد يـدل عـليه ولانبائه عن سبب طوله واضاءة اعلاه واختـلاف زمـنـه وانـعـدامه بالكلية الموافق للحس اولـى مـما ذكره اهل الهيئة القاصر عن كل ذلك، ثانيهما انـه صـلـى الله عليه وسلم اشار بالعارض الى ان المقصود بـالذات هو الصادق وان الكاذب انما قصد بطريق العرض ليتـنبـه الـنـاس بـه لقرب ذلك فيتهيئوا ليدركوا فضيلة اول الـوقـت لاشتـعالهم بالنوم الذى لو لا هذه العلامة لمنعهم ادراك اول الـوقـت فـالـحـاصـل انه نور يبرزه اللّٰه من ذلك الشـعاعِ، اويخلقه حينئذٍ علامة على قرب الصبح ومخالفا لـه فـى الشكل ليحصل التميزُ وتتضح العلامة العارضة من الـمـعـلـم عليه المقصود فتامل ذلك فانه غريب مهم، وفى حـديـث عـنـد احـمد (ليس الفجر الابيض المستطيل فى الافـق ولـكـن الـفـجـر الاحـمر المعترض)وفيه شاهد لما ذكـرتـه آخـراً ومما يؤيد مااشرت اليه من الكوة ما اخرجه غيـر واحـد عن ابن عباس ان للشمس ثلثمائة و ستين كوة تـطـلـع كـل يـوم من كوة فلا بدع انها عند قربها من تلك

الـكـوـة يـنـحـبـس شـعـاعـها، ثم يتنفس كما مر، ثم رايت للقرافى المالكى وغيره كالاصبحى من ائمتنا فيه كلاما يـوضـحــه ويبيـن صـحة مــا ذكـرتــه مـن الكوة ويوافق استشكالى لكونه يظهر، ثم يغيب ـ وحاصله وان كان فيه طول لمس الحاجة اليه انه بياض يطلع قبل الفجر الصادق ثـم يذهب عند اكثر الابصارِ دون الراصد المجتهد القوى الـنـظر وذكرابن بشرالمالكى انه من نور الشمس اذا قربت مـن الافـق فـاذاظهـر انست به الابصار فيظهر لها انه غاب وليـس ذلك ونـقـل الاصبحى ابراهيم ان بـعـضـهم ذكرانه يذهب بعد طلوعه ويعود مكانه ليلا وهذا البعض كثيرون مـن أئمتنا كما مر وان ابـا جـعفر البصرى بعد ان عرفه بانه عند بقاء نحو ساعتين يطلع مستطيلا الى نحو ربع السماء كـانـه عـمـود وربما لم يراذا كان الجو نقيا شتاء وابين ما يـكون اذا كان الجو كدرا صيفا اعلاه دقيق واسفله واسع اى ولا يـنـافـى هـذا ما قدمته ان اعلاه اضوأ؛ لان ذاك عند اول الطلوع وهذا عند مزيد قربه من الصادق وتحته سوادٌ، ثـم بيـاضٌ، ثـم يـظهـر ضوء يغشى ذلك كله، ثم يعترض: ورده بـانـه رصـده نـحـو خمسين سنة فلم يره غاب وانما

ینحدر لیلتقی مع المعترض فی السواد ویصیران فجرا واحدا وزعم غیبتہ، ثم عودہ وھم، او رآہ یختلف باختلاف الفصول فظنہ یذھب۔ وبعض الموقتین یقول ھو المجرۃ اذا کان الفجر بالسعود ویلزمہ انہ لایوجد الا نحو شھرین فی السنۃ قال القرافی (حفۃ الحتاج فی شرح المنھاج، کتاب الصلوٰۃ) قولہ:ثم تعقبہ ظلمۃ) ای غالبا وقد یتصل بالصادق شیخنا وبجیرمی (قولہ: فی تحقیق ھذا) ای فی بیان حقیقۃ الفجر الکاذب

فائدہ: علامہ ابن حجرؒ نے پہلے تو صبح صادق کو بیاض منتشراور معترض بالافق بتلایا اوراس کے بعد کاذب مستطیل پر تفصیلی بحث اورکلام فرمایا: اور علامہ ابن حجرؒ کے مذکورہ کلام (بالخصوص خط کشیدہ الفاظ) سے معلوم ہوا کہ صبح کاذب کا وقت مختلف ہوسکتا ہے۔اورصبح صادق سے پہلے یہ بالکلیہ منعدم ہوجاتی ہے اور اس کے انعدام کا زمانہ مختلف اورکم وبیش ہوسکتا ہے جوکہ بہت طویل بھی ہوسکتا ہے اورقصیر بھی، اوربعض اوقات صادق سے متصل بھی ہوسکتی ہے، اور اس سے بیاض مستطیل کے طلوع کے زمانے کا بھی مختلف ہونا معلوم ہوا۔ اوربعض حضرات کی تحقیق کے مطابق بعض ازمنہ وامکنہ میں اس کو دیکھا جانا ممکن نہیں ہوتا۔اور یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جن

حضرات نے اس کا مشاہدہ فرمایا، وہ اختلاف مکان کی وجہ سے ہے"

..................................(زیرتبصرہ کتاب، صفحہ نمبر ۵۶ تا صفحہ نمبر ۵۹)

تبصرہ:

آپ خط کشیدہ الفاظ کو مدنظر رکھ کر عبارت پڑھئے اور بار بار پڑھ لیجئے گا، کہ کس انداز سے متعلقہ عبارات کا انتخاب فرما کر خط کشیدہ الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے، کہ صبح کاذب کا وقت مختلف زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے۔ اور اسی "بعض لوگ"، "بعض ازمنہ"، "اور" "بعض امکنہ" جیسے نامعلوم اصطلاحات کی مدد سے اس کو تطبیق قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں اس عبارت کو ہم بھی تھوڑی بہت تشریح وتوضیح کے ساتھ نقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار یہ ہوگا کہ علامہؒ کی عبارت مکمل نقل کریں گے مگر "خط کشیدہ الفاظ" کے طور پر الفاظ کا تعین اصول کے مطابق کریں گے۔ اس کے علاوہ جہاں تشریح کی ضرورت ہوگی وہاں پر ہی عبارت کو کاٹ کر ہم اردو میں اس کی وضاحت عرض کر کے اگلی عبارت نقل کرتے جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ہیثمیؒ کی عبارت میں بنیادی طور پر بڑی بڑی دو باتیں مذکور ہیں۔ یعنی پوری عبارت کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱).....ایک یہ کہ صبح کاذب رات کے درمیان یا صبح صادق سے کافی دیر پہلے طلوع ہو جیسا کہ: وبعض الموقتين يقول هو المجرة اذا كان الفجر بالسعودِ ويلزمه انه لايوجد الا نحو شهرين فى السنة **اس عبارت سے بالکل ظاہر ہے۔**

(۲)....دوسرا یہ کہ صبح کاذب رات کے بالکل اخیر میں صبح صادق سے پہلے طلوع ہو مگر اس کی توجیہ وتشریح میں آگے دو رائے پائی جاتی ہیں:

(i) بقول بعض اس کی روشنی تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو جاتی ہے، مگر معمولی اندھیرے کے بعد فوراً صبح صادق کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔

(ii) اور بعض کی رائے میں یہ روشنی مکمل طور پر حقیقتاً ختم نہیں ہوتی ظاہری طور پر بادی النظر میں اندھیرا نظر آتا ہے اور یہیں سے پھر نمودار ہونا شروع ہو کر بیاض معترض شکل اختیار کر لیتی ہے، جسے صبح صادق کہا جاتا ہے۔

یہ آخری دونوں صورتیں جو حقیقتاً ایک ہی نوع سے تعلق رکھتی ہیں علامہ صاحب نے احادیث مبارکہ کے لفظ ''العارض'' سے استدلال کر کے ثابت کی ہیں اور پھر اس پر اپنے آئمہ کی تائید کا تذکرہ کیا ہے۔اسی خلاصہ کو ذہن میں رکھ کر عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

(وهو) بياض شعاعِ الشمسِ عند قربها من الأفقِ الشرقي (المنتشرِ ضوءُهُ معترضاً بالأفقِ) اي نواحي السمآءِ بخلاف الكاذبِ وهوَ مايبدو مستطيلاً وأعلاهُ اضوأُ من باقيهِ، ثم تعقبهُ ظلمةٌ (تنبيهٌ) في تحقيقِ هذا وكونه مستطيلا كلام طويل لاهل الهيئة مبني على الحدس المبني على قواعد الحكمآءِ الباطلةِ شرعا من منع الخرق، والالتئام، او التي لم يشهد بصحتها على انه لا يفى ببيان سبب كون اعلاه اضوا مع انه ابعد من اسفله من مستمده

وهـو الشـمـس ولا ببيان سبب انعدامه بالكلية حتی تعقبه ظلمة کـما صرح به الائمة وقـدروها بساعة، والظاهر ان مرادهم مطلق الزمنِ، لانها تطول تارة وتقصر اخری وزعم بعض اهل الهيئة عـدم اندامه وانما يتناقص حتی ينغمر فی الفجر الصادق ولعله با عتبار التقدير لا الحس......

یہاں تک علامہ ہیثمیؒ نے صبح کاذب وصادق کے حوالے سے دوسرے اہل علم کی رائے نقل فرمائی ہے، جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے واضح ہے۔ کہ کاذب کے بعد ظلمت سے بعض نے مطلق زمانہ مرادلیا ہے، بعض نے اسے مختلف ہوتا ہوا قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ ختم ہی نہیں ہوتی یعنی کاذب کی روشنی ہی آخر کار صادق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

وفـي خبر مسلمٍ (لا يـغـرنكم اذان بلال ولا هذا العارض لعمود الصبح حتی يستطير) اي ينتشر ذلك العمود .....

یہاں سے علامہؒ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ صبح کاذب کی روشنی طلوع صبح صادق تک باقی رہتی ہے۔

ای فـی نـواحی الافق۔ وقد يؤخذ من تسمية الفجر الاول عـارضـا لـلثـانی شيئان احدهما انه يعرض للشعا ع الناشئ عـنـدالـفـجـر الثـانـی انـحباسُ قرب ظهوره کما يشعر به التـنـفـس فـی قـولـه تعالیٰ (والصبحِ اذاتنفس) وعند ذلك الانـحبـاس يتـنـفـس منه شئ من شبه کوة، والمشاهد فی

المنحبس اذا خرج بعضه دفعة ان يكون اوله اكثرمن آخره وهـذا لكون كلام الصادق قد يدل عليه ولانبائه عن سبب طـولـه واضاءة اعلاه واختـلاف زمـنـه وانـعدامه بالكلية الـموافق للحس اولى مما ذكره اهل الهيئة القاصر عن كل ذلك، ثـانيهـما انه صلى الله عليه وسلم اشار بالعارض الى ان الـمـقـصود بالذات هو الصادق وان الكاذب انما قصد بـطريق العرض ليتنبه الناس به لقرب ذلك فيتهيئوا ليدركوا فـضيـلة اول الـوقـت لاشتـعـالهـم بـالنوم الذى لو لا هذه الـعـلامة لـمنعهم ادراك اول الوقت فالحاصل انه نور يبرزه الـلّـه مـن ذلك الشعـاعِ، اويخلقه حينئذٍ علامة على قرب الـصبـح ومـخـالـفـا لـه فى الشكل ليحصل التميزُ وتتضح الـعلامة العارضة من المعلم عليه المقصود فتامل ذلك فانه غريب مهم،...

علامہ ہیثمیؒ نے وقد يؤخذ من تسمية سے لے کر خط کشیدہ الفاظ سمیت تک زیر بحث موضوع سے متعلق جو باتیں سامنے لائی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)........صبح کاذب رات کے اخیر میں صبح صادق کے بالکل قریب طلوع ہوتی ہے۔

(۲)........اس میں حکمت یہ کہ لوگ پہلے سے تیاری کر کے صبح صادق کا اول وقت پاسکیں گے۔

(۳)....... چونکہ پوری رات لوگ سورہے ہوتے ہیں لہٰذا صبح کاذب جیسی علامت اگر نہ ہوتی تو لوگوں کے لئے اول وقتِ فجر کا پانا نہایت مشکل ہوتا۔

(۴)........کاذب کا صادق کے ساتھ اتنا قریب ہونے کی وجہ سے ضروری ہوا کہ خاص علامت ایسی ہو جو کاذب اور صادق کو ایک دوسرے سے ممتاز کرسکے لہٰذا کاذب کو مستطیل اور صادق کو مستطیر جیسی صفات کیوجہ سے ایک دوسرے سے جدا کردئے تاکہ لوگوں کو اس سے دھوکہ نہ ہو۔ یہ ساری باتیں خط کشیدہ الفاظ اور جملوں سے بالکل عیاں ہیں۔

(۵)......صبح کاذب کے بعد اندھیرے کا آنا اور اس کا دورانیہ مختلف ہونا، مگر یاد رہے اس بات سے بروجی روشنی کا صبح کاذب ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کمی بیشی کا تعلق رات کے آخیر میں کاذب اور صادق کے درمیان وقت سے ہے، علاوہ ازیں اوپر تمام استنباطات سے ثابت ہوا ہے کہ صبح کاذب رات کے اخیر میں صبح صادق کے ساتھ نہایت قریب ہونا چاہئے۔ جب کہ بروجی روشنی اس کے خلاف ہے جس کی عبارت الگ ذکر کی گئی ہے۔

وفی حدیث عند احمد (لیس الفجر الابیض المستطیل فی الافق ولکن الفجر الاحمر المعترض)وفیه شاهد لما ذکرته آخراً ومما یؤید مااشرت الیه من الکوة ما اخرجه غیر واحد عن ابن عباس ان للشمس ثلثمائة و ستین کوة تطلع کل یوم من کوة فلا بدع انها عند قربها من تلك

الكوة ينحبس شعاعها، ثم يتنفس كما مر، ثم رايت
للقرافى المالكى وغيره كالاصبحى من ائمتنا فيه كلاما
يوضحه ويبين صحة ما ذكرته من الكوة ويوافق
استشكالى لكونه يظهر، ثم يغيب وحاصله وان كان فيه
طول لمس الحاجة اليه انه بياض يطلع قبل الفجر الصادق
ثم يذهب عند اكثر الابصارِ دون الراصد المجتهد القوى
النظر...

یہاں فرمایا کہ ہمارے ائمہ مثلاً قرافیؒ مالکی اور اصبحی وغیرہ کی تحقیقات بھی میری نظر سے گزری ہیں ان سب بزرگوں نے وہی بات کی ہے جو میں (ہیثمیؒ) نے ابھی بیان کی، اور حاصل اس کا یہ بیان فرمایا کہ یہ ایک بیاض ہے جو کہ صبح صادق سے قبل طلوع ہوتی ہے پھر ماہر اور قوی النظر دیکھنے والوں کے علاوہ عام لوگوں کی نظروں سے غائب ہوجاتی ہے۔

یہاں تک علامہؒ نے اپنی بات پوری کردی، کہ اول حدیث کی رو سے صبح کاذب اور صادق کو ایک دوسرے کے قریب بتلا کر یہ حکمت بیان فرمائی کہ اس طریقے سے لوگوں کے لئے صبح کا اول وقت کی فضیلت حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے، کہ کاذب کو دیکھ کر وہ تیاری میں مصروف ہوجاتے ہیں، یہاں آکر اپنے ائمہ کی تائید بھی ذکر فرمادی۔ اور حاصل کلام کے طور پر فجرین کے درمیان ظلمت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ بعض لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے لہٰذا ان کے نزدیک یہاں ظلمت آگئی

جب کہ محققین اور قوی النظر کو اسی طرح دکھائی دیتی ہے کہ روشنی بیاض مستطیل کم ہوتے ہوئے ختم ہوگئی اور فوراً بغیر کسی تاخیر کے وہاں سے بیاض مستطیر شروع ہوجاتی ہے۔ آگے دیگر علماء کے اقوال ذکر کرتے ہیں:

وذكر ابن بشر المالكي انه من نور الشمس اذا قربت من الافق فاذاظهر انست به الابصار فيظهر لها انه غاب وليس ذلك ونقل الاصبحي ابراهيم ان بعضهم ذكر انه يذهب بعد طلوعه ويعود مكانه ليلا وهذا البعض كثيرون من أئمتنا كما مر وان ابا جعفر البصري بعد ان عرفه بانه عند بقاء نحو ساعتين يطلع مستطيلا الى نحو ربع السماء كانه عمود وربما لم يراذا كان الجو نقيا شتاء وابين ما يكون اذا كان الجو كدرا صيفا اعلاه دقيق واسفله واسع اى ولا ينافى هذا ما قدمته ان اعلاه اضوأ؛ لان ذاك عند اول الطلوع وهذا عند مزيد قربه من الصادق وتحته سوادٌ، ثم بياضٌ، ثم يظهر ضوء يغشى ذلك كله، ثم يعترض: ورده بانه رصده نحو خمسين سنة فلم يره غاب وانما ينحدر ليلتقى مع المعترض فى السواد ويصيران فجرا واحدا وزعم غيبته، ثم عوده وهم، او رآه يختلف باختلاف الفصول فظنه يذهب۔

یہ جتنے بھی اقوال اوپر ذکر کئے گئے ہیں سب کا منشاء وہی ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ غائب نہیں ہوتی اور بعض کہتے ہیں کہ کاذب کے بعد اندھیرا آتا ہے، مگراس کے باوجود سارے اس بات پر متفق ہیں کہ صبح کاذب رات کے اخیر میں طلوع ہوگی اور صبح صادق کے نہایت قریب جا کر غائب ہوگی۔ جس کے فورا بعد صبح صادق طلوع ہونا شروع ہوجائے گی۔ یہ فورًا کا لفظ اس لئے لکھا کہ درحقیقت یہاں رات والی تاریکی نہیں ہوتی جو زیادہ دیر کے لئے قائم رہے بلکہ یہاں بظاہر نظر اندھیرا محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات بھی خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ ہے کہ آئندہ عبارت میں کاذب وصادق کا جس انداز سے تذکرہ آرہا ہے، دراصل یہی وہ اختلاف ہے جس پر مذکورہ بالا عبارات میں تردید گزر چکی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اوپر والی عبارات میں صبح کاذب کو صادق کے قریب تر بتلایا گیا۔ شائد جن اکابر نے موقتین اور فلکیین لوگوں کی تردید کی ہے اس کی یہی وجہ ہو۔ بہرحال اتنی بات تو واضح ہے کہ احادیث کی رو سے ان بعض موقتین کے قول کو کسی طرح بھی ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

وبعض الموقتين يقول هو المجرة اذا كان الفجر بالسعود <u>ويلزمه انه لايوجد الا نحو شهرين فى السنة</u> قال القرافى (تحفة الحتاج فى شرح المنهاج، كتاب الصلوة و) قوله:<u>ثم تعقبه ظلمة) اى غالبا وقد يتصل بالصادق</u> شيخنا وبجيرمى (قوله: <u>فى تحقيق هذا) اى فى بيان حقيقة الفجر</u>

الکاذب ...

اس سے، ظاہر ہے کہ، بروجی روشنی مراد ہے یعنی ان بعض ماہرین فن کے نزدیک صبح کاذب بروجی روشنی کو کہا جاتا ہے، جو کہ سال میں صرف دو مہینے نظر آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبح کاذب کی پچھلی ساری بحث کا مصداق بروجی روشنی کے علاوہ ہے۔ وہ سارا تفصیلی کلام اسی ایک حقیقت کے گرد گھومتا ہے کہ بعض کے نزدیک صبح کاذب غائب ہوجاتی ہے اور بعض کے نزدیک ظاہری طور پر تو غائب نظر آتی ہے مگر فی الحقیقت یہاں کوئی اندھیرا نہیں ہوتا بلکہ صبح کاذب کی روشنی کی کمزوری اور صادق کی روشنی کی طلوع وظہور کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا پچھلی بحث میں اختلاف اس حقیقت کے ماننے میں مانع نہیں ہے کہ بروجی روشنی کے صبح کاذب ہونے سے انکار کیا جائے۔

یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مذکورہ بالا قول کی نسبت صرف ماہرین (اوروہ بعض) کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ یہی بات آج کے ماہرین جدید فلکیات کرتے ہیں جس کی بنیاد پر آج ۱۸ درجے پر صبح صادق کو ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالانکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس قول کو ''بعض الموقتین'' سے شروع کر کے آخری دو سطروں میں مکمل کر دیا۔ جبکہ اس کے برعکس پہلے قول کو احادیث اور ائمہ اکابر کی تائیدات کے ساتھ ذکر کر کے علامہ ہیثمیؒ نے اپنی طرف سے نقل فرمایا۔ اب اسی صورت حال کو مدنظر رکھ کر بروجی روشنی ہی کو کاذب قرار دے کر اس سے ۱۸ درجے پر صبح صادق کو ثابت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور تعجب یہ ہے کہ یہ آخری قول (جو کہ بعض

الموقتین کے نام سے علامہ نے بالکل آخر میں ذکر کیا گیا ہے، اسی) کو ہی تطبیق کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، یہ تطبیق کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

کیا صبح کاذب بروجی روشنی ہے؟

........صفحہ نمبر ۶۸ تا صفحہ نمبر ۷۰........

بروجی روشنی صبح کاذب ہے یا نہیں ہے؟ اس پر کلام کرنے سے پہلے پچھلی ابحاث کو مدنظر رکھ کر مختصر تمہید عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تمہید کے بعد ان شاء اللہ الرحمٰن اس پر کچھ آگے عرض کریں گے۔

تمہید:

علامہ ابن الہیتمیؒ کے تفصیلی کلام میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صبح کاذب اور صادق کے حوالے سے فقہاء کرام کے اختلافی اقوال بنیادی طور پر دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔

(۱)........ایک یہ کہ صبح کاذب اور صادق دونوں مجموعۃ ''مطلق فجر'' کے نام سے رات کے اخیر میں طلوع ہوتی ہے اور ان دونوں (یعنی کاذب کے غیوب اور صادق کے ظہور) کے درمیان کوئی خاص وقفہ نہیں ہوتا بلکہ ظاہری طور پر کاذب کی روشنی نظروں سے تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوجاتی ہے۔ پھر صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ اسی پر علامہ ہیتمیؒ کی عبارت میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ آلوسیؒ کی

مندرجہ ذیل عبارت سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے:

” اذاازداد قرب الشمس من شرقی الافق ازداد میل المخروط الی غربیه ولایزال کذالك حتی یری الشعاع المحیط به ....فیری الضوء اولا مرتفعاً عن الافق ...وما بینه وبین الافق یری مظلماً لبعده وان کان مستنیراً فی الواقع ولکثافة الهواء عند الافق مدخل فی ذالك ایضاً وهو الصبح الکاذب۔ (۱)

البتہ اس قول میں اتنا اختلاف ضرور کتابوں میں منقول ہے کہ صبح کاذب کا دورانیہ مختلف ہوتا رہتا ہے۔مگراس کا ایک جواب یہ ہے ان بزرگوں سے درجات میں اختلاف نہیں منقول، بلکہ اس سے مراد مشاہدے اور ظہور کا اختلاف ہے۔اور ظاہر بات ہے کہ طوالع وغوارب میں سے کوئی بھی پوری دنیا میں ایک وقت میں کبھی واقع نہیں ہوسکتا۔ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ سورج یا سورج کا کسی قسم کا اثر پوری دنیا میں ایک وقت میں ایک جیسا ظاہر ہو۔مثلاً طلوع آفتاب ہی کو لیجئے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اختلاف مطالع کی وجہ سے ہر ملک بلکہ ہر شہر میں اس کے اوقات مختلف ہیں۔لہٰذا کاذب کا اختلاف کو اس قسم کے اختلاف پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے کہیں مطلع صاف تھا کہیں کوئی عارض

(۱) تفسیر روح المعانی، للآلوسی (م...) دارالکتب، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

آیا جس کی وجہ سے اس کے مشاہدے میں مختصر سی تقدیم وتاخیر ہوگئی۔اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ ایک علاقے کے لئے ایک نقشہ بنا ہے تو اصولی طور پر بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے، جب اس علاقے میں مثلاً غروب آفتاب ، شفق وغیرہ کا مشاہدہ کیا جائے تو اس علاقے میں مختلف مقامات میں اکثر مشاہدے میں چند منٹوں کا فرق سامنے آتا ہے یہی وجہ ہے ہر مرتب نقشہ نے اوپر احتیاطاً ۳، ۴ منٹ جمع ، منفی کی ہدایات لکھی ہوتی ہیں۔

ان دونوں جوابات کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کے اس قسم کے اختلافات کے باوجود وہ سارے حضرات اس بات متفق ہیں کہ صبح کاذب اور صادق رات کے اخیر میں طلوع ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں اس حقیقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان بزرگوں کا زیادہ اختلاف اس بات میں بھی ہے کہ صبح کاذب کی روشنی حقیقتاً غائب ہوتی ہے یا بظاہر ایسا نظر آتا ہے؟ اب اس اختلاف کو دیکھ کر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہی وہ مختصر وقفہ ہے جو اختلاف مشاہدے کی بنیاد پر اختلاف کا باعث بنا ہوا ہے۔(۱)

---

(۱) یہاں یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیئے کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً تذکرہ کر کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دے دی جبکہ یہی کام مصنف نے کیا تھا تو اس پر ہر جگہ یہ اعتراض کیا گیا کہ مصنف کا اگر یہ دعویٰ ہے تو ان کو اختلاف امکنہ وازمنہ کا تعین کرنا چاہیئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں راقم اور وہاں مصنف کے اختلافی اقوال میں بہت فرق ہے اسی وجہ سے دونوں پر یکساں قانون نہیں لگایا جاسکتا۔وہ اس طرح کہ مصنف نے جن اقوال میں اختلاف ازمنہ وامکنہ کے نام سے تطبیق دے کر بات ختم کردی ہے ان میں بعض ایسے اقوال بھی شامل کئے ہیں جن میں صبح کاذب اور صادق کے درمیان کافی سارے دورانیہ کا فرق منقول ہے۔گویا کہ وہ اختلاف درجات کا ہے نہ کہ مطالع یا عوارض کی بنیاد پر۔ہمارا مطالبہ مصنف صاحب سے مطلق تطبیق کے بارے **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)**

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے کہ صبح کاذب رات کے ابتدائی یا درمیانی وقت میں ظاہر ہو اور اس کے غیوب کے بعد ابھی رات باقی ہو پھر بہت دیر بعد جا کر صبح صادق طلوع ہو۔ اس کے علاوہ اس قول کے مطابق صبح کاذب پورا سال نہیں بلکہ سال کے صرف دو مہینوں میں اس کا ظہور ہو۔اس قول کی طرف علامہ الہیتمیؒ نے مندرجہ ذیل عبارت میں اشارہ فرمایا ہے:وبعض المؤقتين يقول هو المجرة اذا كان الفجر بالسعود ويلزمه انه لا يوجد الا نحو شهرين فى السنة (۱)اور بعض ماہرین فن کہتے ہیں کہ یہ روشنی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

میں نہیں تھا بلکہ ان اقوال کے حوالے سے تھا۔جن میں اچھا خاصا وقفہ پایا جاتا ہے۔اور آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ کسی روشنی کے ظہور میں اتنا بڑا فرق ممکن ہی نہیں ہے جب تک اس کے مطالع کے عرض اور طول بلد میں اچھا خاصا درجات کا فرق نہ آیا ہو۔اس کی ایک مثال یوں سمجھ لیجئے گا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ سورج ۵ بجے طلوع ہوتا ہے دوسرے نے کہا کہ میں نے سورج ساڑھے پانچ بجے طلوع ہوتے دیکھا ہے،اس کا واضح طور پر مطلب یہ لیا جائے گا کہ یہ دو مختلف علاقوں یا مختلف موسم کی بات ہورہی ہے،اب مزید اگر دعوے کی کوئی بات اس میں شامل ہو تو ان علاقوں کے خطوط یا موسم کا یعین لازمی ہوگا۔اس کے برعکس ایک شخص طلوع آفتاب ۵ بجے بتاتا ہے جبکہ دوسرا ۳،۴ منٹ آگے پیچھے بتاتا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس اختلاف کی بنیاد خطے یا موسم نہیں بلکہ مشاہدات میں عوارض ہے۔یا آسان الفاظ میں آپ یوں سمجھے کہ زیر بحث موضوع میں جن دو قسم کے اقوال کا تذکرہ ابھی کیا جارہا ہے مصنف کی تطبیق ان دونوں اقوال کو اختلاف ازمنہ وامکنہ کے نام سے ملانے کے قبیل سے تھا جبکہ ہم نے صرف پہلے قول میں مشاہداتی فرق پر مشتمل اقوال کو اس پر حمل کیا اور اس پر ہم نے باقاعدہ دلیل دی ہے کہ یہی اقوال مختلفہ کے قائلین خود اس بات پر متفق ہیں کہ فجرین کا ظہور اخیر اللیل میں ہو دوسری بات یہ کہ ان میں اکثر نے یہ بات چھیڑی ہے کہ صبح کاذب کی روشنی کے بعد جس ظلمۃ جو تذکرہ ہے آیا حقیقتاً یہ اندھیرا ہے یا نظر اس طرح آرہا ہے؟

کہکشاں کی ہے جو کہ سال میں صرف دو مہینے ظاہر ہوتی ہے۔اب اس تمہید کے بعد بروجی روشنی کی طرف آتے ہیں کہ کیا اس کو صبح کاذب قرار دی جاسکتی ہے؟

فیصلہ کی بنیاد کیا ہو؟

یہ فیصلہ دوطرح کیا جاسکتا ہے ایک یہ کہ ہم صرف آج کے ماہرین فن (۱) کے اقوال پر اعتماد کریں۔دوسرا یہ کہ ہم کسی مسلم یا غیر مسلم ماہر کے قول پر اعتماد کی بجائے اس روشنی کی علامات کا سراغ لگائیں پھر ان علامات کو مذکورہ بالا فقہاء کی طرف سے صبح کاذب کی بحث کے سامنے پیش کریں کہ یہ بروجی روشنی کس قول کا مصداق بنتی ہے؟اس کے بعد قارئین خود سے نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ فرماسکتے ہیں ۔ہمارے خیال میں یہ آخری طریقہ کار اسلامی تحقیق کے زیادہ قریب ہے بنسبت پہلے طریقے کے، کہ اس میں محض ماہرین فن (پھر خصوصاً غیر مسلم ماہرین) کے اقوال پر اعتماد ہے۔لہٰذا یہاں بروجی روشنی کے بعض علامات نقل کئے جاتے ہیں:

جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب ''مکتوب جناب جاوید قمر صاحب'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱)واضح ہو کہ آج علم ہیئت جس کو جدید علم فلکیات کے نام سے بولا جاتا ہے اس کی ساری بنیادیں یورپ سے بنتی اور بگڑتی جاتی ہے۔آج بدقسمتی سے ہمارے مسلمانوں کی تحقیقات کا سلسلہ جب اندر سے دیکھا جاتا ہے تو جدید فلکیات کا خشت اول اہل یورپ کا نصب کیا ہوا نظر آتا ہے۔اس حوالے سے ہمارے مسلم ماہرین کی تحقیقات گرین وچ اور اس قسم کے یورپی رصدگاہوں سے قطعاً آزاد نہیں ہیں۔لہٰذا قارئین جدید ماہرین سے منقول اقوال کو دیکھتے وقت یہ فنی نکتہ ضرور ذہن میں رکھئے گا۔(قاسمی)

(۱)'' جہاں تک صبح کاذب کا تعلق ہے یہ بالکل دوسری شئے ہے،
بعض دفعہ سازگار حالات میں (یعنی بالکل ہی صاف مطلع کی صورت
میں اور کراچی جیسی جگہوں کیلئے اگست سے ستمبر تک) فلکی فلق کے طلوع
(یعنی صبح صادق کے شروع) ہونے سے بھی کافی قبل ایک مدھم سی لیکن
بایں ہمہ خاصی واضح قسم کی روشنی مشرقی افق پر دیکھی جاسکتی ہے''(۱)

صفحہ نمبر ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:

''جہاں تک صبح کاذب کی بات ہے یہ بروجی روشنی ہی کا دوسرا نام ہے''

(۲) ''نارٹنز اسٹار اٹلس'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''فروری، مارچ کے زمانہ میں شام کے وقت (بعد غروب آفتاب)
اور اگست، ستمبر کے دوران صبح کے وقت شمالی نصف کرہ میں یہ زیادہ
روشن تر دکھائی دیتی ہے'' (صبح صادق وصبح کاذب صفحہ نمبر ۵۶)

(۳) حضرت مفتی رشید احمدؒ احسن الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

'' یہ ایک انعکاسی روشنی ہے جو سال بھر میں صرف دو ماہ وسط اگست تا وسط
اکتوبر میں بعض مقامات پر نمودار ہوتی ہے''(۴) احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۸۰

(۴) فلکی فلق کے طلوع اور اس روشنی کے ختم ہونے کے درمیان خاصا وقفہ ہوتا ہے،
، اس طرح فلکی فلق کے طلوع سے فوراً پہلے افق پر کوئی روشنی نہیں ہوتی، اس روشنی کو
بروجی روشنی (Zodical light) کہتے ہیں (صبح صادق وصبح کاذب صفحہ نمبر ۱۹۳)

---

(۱) صبح صادق وصبح کاذب صفحہ نمبر ۱۹۲ یاد رہے اسی میں بروجی روشنی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

انٹرنیٹ سے مختلف ویب سائٹس کی مدد سے فلکی شفق (Astronomical Twilight) کے بارے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئی ہیں۔جن سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ بروجی روشنی(Zodical light)کے اثرات فلکی شفق سے بہت پہلے ختم ہوچکے ہوتے ہیں:۔

(1) Before the beginning of astronomical twilight in the morning and after the end of astronomical twilight in the evening *the sun does not contribute to sky ill-uminaton.*

(2) Astronomical Twilight: the time at which the sun is 18 degrees below the horizon.It is that point in time at which the sun start lightening the sky. *Prior to this time during, the morning, the sky is completely dark.* During the evening, this is this is the point where the sky completely turns dark.

FROM: NOAA's National Weather Service Weather Forecast (Office)

(3) Astronomical dawn is the time at which the sun is 18 degrees below the horizon in the morning.Astro-nomical dawn is that point in time at which the sun starts lightening the sky. *Prior to this time, the sky is*

completely dark.

(http://en. wikipedia. org/wiki/Dawn#_note-NOAA Astro_Terms)

(4) راقم نے امریکہ میں ڈاکٹر خالد شوکت صاحب سے ای میل کے زریعے رابطہ کیا متعلقہ ایک سوال مع جواب کو بعینہ نقل کیا جا رہا ہے:

Question: (1) Is there some another light before the Astronomical twilight or there is totally darkness?

Answer: It is agreed by all astronomers that generally, *the sky is totally dark at or before astronomical twilight.* But this is not true at high laitudes.

صبح کاذب اور صادق کے حوالے سے مذکورہ بالا تفصیلی بحث اور زوڈیکل لائٹ کی کیفیت وعلامات کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل باتیں سامنے آگئیں:

(ا) زوڈیکل لائٹ کی روشنی کا اثر فلکی شفق کے ظہور سے پہلے مکمل طور پر ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا حوالہ جات میں فلکی شفق سے پہلے آسمان پر مکمل طور پر اندھیرا ہونا خاص کر شفق ابیض (اگر اس کو فلکی شفق قرار دیا جائے تو اس) کے غروب کے بعد ہی آسمان پر مکمل اندھیرے کا ابتداء ہونا انگریزی کی عبارات سے واضح ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جوں جوں فلکی شفق سے سورج نیچے جاتا رہے گا اتنا اندھیرے میں اضافہ ہوتا

رہے گا۔اب آگے جس پوائنٹ پر بروجی روشنی کا ظہور ہو تو اس پوائنٹ اور اختتامِ فلکی شفق کے درمیان وقفے کا زیادہ ہونا صاف ظاہر ہے۔

(۲) زوڈیکل لائٹ عام طور پر سال کے صرف دومہینوں میں ظر آتی ہے۔جبکہ احادیث کے عمومی مفہوم سے معتدل علاقوں میں عام طور نظر آنا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) بروجی روشنی اور فلکی شفق کے درمیان بہت زیادہ وقفہ موجود ہے جو کہ الفجر فجران اور فقہاء کرام کی دیگر تصریحات کے خلاف ہے۔

جبکہ پچھلے ابحاث میں جو بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) صبح کاذب وصادق کے حوالے سے ایک قول یہ ہے کہ صبح کاذب رات کے ابتدائی یا درمیانی وقت میں طلوع ہوتی ہے اور صبح صادق کے ظہور سے کافی دیر پہلے غائب ہوجاتی ہے۔یہ قول بعض حساب دانوں کا ہے جیسا کہ الہیتمیؒ کی عبارت میں ہے:

وبعض الموقتين يقول هو المجرة اذا كان الفجر بالسعود ويلزمه انه لايوجد الا نحو شهرين فى السنة

(۲) دوسرا قول یہ کہ صبح کاذب کی روشنی رات کی آخیر میں طلوع ہو کر صبح صادق کے ظہور سے تھوڑی دیر پہلے اس کی روشنی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔یا بنا بر اختلاف بظاہر افق پر اندھیرا نظر آتا ہے،مگر درحقیقت یہ روشن حصہ ہوتا ہے جو کہ نہایت دوری کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔لہٰذا دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہاں فجرین کے درمیان کچھ اندھیرا تھا۔بہرحال اتنی بات تو واضح ہے کہ صبح کاذب کی انتہاء اور صبح صادق کی ابتداء تقریباً متصل ہیں،اور یہ دونوں (یعنی مجموعہ فجرین) رات کی اخیر میں طلوع

ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھ کر اگر بروجی روشنی کو ہی صبح کاذب قرار دی جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ عام فقہاء کرام کی بجائے بعض حساب دانوں کی رائے ہے، جیسا کہ اوپر قول نمبر ۱ میں ذکر ہے۔

دن کی ابتدائی روشنی

The first light of day

........صفحہ نمبر ۷۱ تا صفحہ نمبر ۷۵...........

کتاب مذکور میں صفحہ نمبر ۷۱ سے ''صبح صادق و کاذب پر ایک جامع کلام'' کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون لکھا گیا ہے۔ جس میں کچھ عقلی استنباط کرتے ہوئے صبح صادق کو ۱۸ درجے پر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اپنے دعوے کے اثبات کے لئے جو مقدمات حضرت مصنف کو ملے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصی نعمت اور ایک الہامی القاء قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس توجیہ کو ایک مضبوط دلیل کے طور پر بھی پیش فرمایا گیا ہے یہاں اس مضمون کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے ایک خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:۔

(۱)........ یہاں کچھ باتیں ایسی تحریر فرمائی گئی ہیں جو کہ تحصیل حاصل کے سوا اور کچھ نہیں

۔مثلاً نمبر ا،اور ۲ میں لکھنا کہ یہ روشنیاں حکم وصورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہونا یعنی کاذب کی روشنی کو شریعت نے رات کا حکم دیدیا ہے اور صادق کو دن، اسی طرح کاذب کی روشنی خالص سفید، آسمان کی طرف بلندی میں ظاہر ہونے کے بعد اپنی جگہ پر بلا انتشار قائم رہتی ہے جبکہ صادق کی روشنی مائل بہ معمولی سرخی اور افق میں معترض ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سرعت کے ساتھ پھیلتی چلی جاتی ہے۔علاوہ ازیں صبح صادق کو نہار شرعی کا مبداء (بالفاظ دیگر خیط ابیض کا صرف ظہور) ہی صبح صادق کہلاتا ہے)اور نمبر ۳ میں حقیقت کے اعتبار سے مختلف ہونا لکھا ہے، حالانکہ ''صورتاً اختلاف'' درحقیقت ''اختلاف حقیقت'' ہی ہے۔لہٰذا ان باتوں کو نقل کرنا کوئی خاص الہامی چیز نہیں قرار دی جاسکتی ۔ہاں اگر یہاں ان حقائق سے مراد ''لیل حقیقی'' اور ''مبداء نہار شرعی'' وغیرہ جیسے جدید اصطلاحات کو متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ قاری کے ذہن میں غیر محسوس طریقے پر فجرین کا تصور بروجی روشنی اور فلکی فلق پر منطبق کرانا مقصود ہو تو واقعی یہ ایک انوکھی تحقیق قرار دی جاسکتی ہے مگر اس کے بارے میں اسی کتاب کی ابتدائی ابحاث ص:17،ص:25 پر پڑھ لیجئے گا کہ ان کی شرعی حیثیت نہایت کمزور ہے۔

(۲)......ص ۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

> ''اور جدید انکشافات سے جو حقیقت واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق حقیقت وصورت کے اعتبار سے پہلی قسم کی روشنی ابتدائے فلکی فلق یعنی اسٹرونومیکل ٹویلائٹ ہے لہٰذا اس کو صبح صادق کا حکم حاصل ہوگا اور اس کے برعکس حقیقت وصورت کے

لحاظ سے دوسری قسم کی روشنی، بروجی روشنی یعنی ذوڈیکل لائٹ ہے

،لہٰذا اس کو صبح کاذب کا حکم حاصل ہوگا ''   (ص ۷۳)

یہاں پر سوال یہ ہے کہ ''مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق'' کے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ ہم نے لکھا ہے کہ اسی بحث کے شروع میں اگر کچھ ہے بھی تو وہ تحصیل حاصل کے سوا اور کچھ نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے بروجی روشنی سے صبح کاذب اور فلکی فلق سے صادق پر استدلال کیا جاسکے! ہماری مراد یہ ہے کہ ابتداء بحث میں تحصیل حاصل کے طور پر جو تھوڑا بہت لکھا گیا ہے اس سے یہ استدلال کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے کہ بروجی روشنی صبح کاذب ہے اور اسٹرونومیکل ٹویلائٹ صبح صادق ہے،اور '' جدید انکشافات'' کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حقائق انہی انکشافات سے واضح طور پر ثابت ہو چکے ہیں، حالانکہ یہاں اس بات پر کوئی فنی دلیل نہیں پیش کی گئی ہے۔

(۳)......دن کی ابتدائی روشنی: قائلین ۱۸ درجے کو اس بات سے مغالطہ ہوا ہے کہ دن کی بالکل ابتدائی روشنی ہی صبح صادق ہے۔اور یہی بات یہاں خاص طور پر ذکر کی گئی ہے ۔یہی وجہ ہے بار بار نہار شرعی کا مبدء اور نہار عرفی کا مقدمہ جیسے الفاظ دہرائے جارہے ہیں ۔ص ۷۴ پر لکھتے ہیں ''چنانچہ فلکی فلق ابتداء نہار کا مبدء (**The first light of day**) ہوتی ہے،اور یہی روشنی سورج کے طلوع و نہار عرفی کا مقدمہ ہوتی ہے''

ہم اصل بحث کو اس موضوع پر موقوف ہی نہیں سمجھتے کہ صبح صادق اوّل روشنی ہے یا اوّل روشنی کے بعد ایک خاص صفت و کیفیت پر مشتمل روشنی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جس روشنی میں فجرین میں سے جس کی علامات بھی ثابت ہوگئیں اس روشنی کو وہی حکم حاصل

ہوگا۔ مگر اس کے باوجود ہم یہاں متقدمین اہل فن اور علماء دین کے تصریحات نقل کرنا چاہیں گے تاکہ صبح صادق وکاذب کا یہ پہلو بھی واضح ہو جائے، کہ اول روشنی کی حقیقت کیا ہے؟ کتاب التصریح میں ہے:

ان انحطاط الشمس من الافق عند اول طلوع الصبح وهو البياض المستطيل المسمى بالكاذب وآخر غروب الشمس وهو البياض المستدق المستطيل الذى قلما يدرك صفاء ه لوقوعه فى وقت النوم ورجوع الناس الى مساكنهم للاستراحة بخلاف اول الصبح فانه وقت استكمال الراحة والاستعداد للمصالح فالناس ينتظرون فيه طليقة النهار بطلوع الفجر لينتشروا لابتغاء حوائجهم يكون ثمانية عشر جزء من دائرة الارتفاع

(التصریح صفحہ نمبر ۶۸ حاشیہ ۵)

ترجمہ: یقیناً افق سے سورج کا جھکاؤ اول صبح کے وقت جو کہ سفید مستطیل روشنی ہو کر کاذب کہلاتی ہے، اور غروب شمس کے بعد آخر شفق جو بیاض مستطیل ہوتی ہے اور چونکہ اس وقت لوگ (دن بھر کام کرنے کے بعد) آرام کرنے کیلئے گھروں کو لوٹنے اور سونے کی تیاری میں مصروف ہوتے ہیں، اسلئے اس کا ادراک کم ہوتا ہے۔ بخلاف اول صبح کے کہ یہ آرام کی تکمیل اور دیگر مصالح دنیویہ

کی تیاری کا وقت ہوتا ہے اسلئے لوگ اس وقت دن کی روشنی اور صبح کا انتظار کرتے ہیں تا کہ نکل کر اپنے حوائج کو پورا کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، اس وقت سورج ۱۸ درجے پر ہوتا ہے۔

اگر مقدمہ سے کسی چیز کے آنے اور ظہور کے ابتدائی آثار و علامات مراد ہیں جس سے کسی آنے والے پر دلالت کی جا سکے تو مذکورہ بالا عبارت میں خط کشیدہ عبارت سے یہ بات واضح نظر آ رہی ہے کہ لوگ صبح کاذب کو دن کا مقدمہ سمجھ رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ صبح کاذب کے ظہور کے وقت گویا کہ گھروں سے نکلنے کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ خط کشیدہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیجئے گا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کی عبارت سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے:

وان الكاذب انما قصد بطريق العرض ليتنبه الناس به لقرب ذلك فيتهيئوا ليدركوا فضيلة اول الوقت لاشتعالهم بالنوم الذى لو لا هذه العلامة لمنعهم ادراك اول الوقت ..

تا کہ صبح کاذب سے اس کی قربت کی وجہ سے لوگ متنبہ ہو کر صبح صادق کے اول وقت کی فضیلت پا سکیں۔ کیونکہ اگر صبح کاذب کی یہ علامت نہ ہوتی تو رات کے اختتام پر لوگ نیند میں مشغول ہونے کی وجہ سے اول وقت سے محروم ہو جاتے۔.... (تحفة المحتاج ،ج ١ ،ص ٢٨٦)

مذکورہ بالا عبارات میں صبح کاذب کے معمول کے مطابق وجود اور اس وقت صبح صادق کے اول وقت کی فضیلت کے ادراک کے لئے عوام کا اہتمام ملاحظہ فرمائیے اور کتاب

مذکور کی نیچے عبارت پڑھ لیجئے گا۔

(۴)......بحث مذکور میں یہاں آ کر غالباً الفاظ ''مبداء'' اور ''مقدمہ'' کا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لہٰذا صفحہ نمبر ۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

''اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ صبح صادق کی روشنی نہار کا مبدء اور سورج کے طلوع اور نہار عرفی کا مقدمہ ہوتی ہے، تو طلوعِ شمس سے پہلے اس کا وجود اور اس کے طلوع کے وقت سورج کا کسی خاص درجہ زیر افق ہونا ضروری ہوگا۔ اور صبح کاذب نہ تو نہار شرعی کا مبدء ہوتی اور نہ ہی سورج اور نہار عرفی کا مقدمہ ہوتی، تو طلوع شمس سے پہلے دائماً اس کا وجود بھی ضروری نہ ہوگا۔''

اگر بروجی روشنی بقول انکے صبح کاذب ہے اور یہ سورج کی انعکاسی روشنی بھی ہے تو کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی کہ ایک خطے میں کبھی یہ روشنی ایک وقت میں اور کبھی اسی خطے میں اسی موسم میں دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی رہے۔ یعنی فنی قواعد کے رو سے کائنات میں جو بھی تبدیلیاں گردش زمین اور سورج کے ساتھ متعلق ہیں ایک خاص اور مستقل اصولوں کے تحت رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کوئی ان تبدیلیوں میں کسی بھی تبدیلی کے بارے کسی اصول کا قائل نہیں تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کی فنی توجیہ بیان فرمائیں۔

صبح کاذب کے حوالے سے اگر عدم مبدء نہار شرعی اور عدم مقدمہ نہار عرفی کو بنیاد بنا کر صبح کاذب کے دوام واستقلال اور اس کے درجات کی نفی کی جا رہی ہے تو اس رائے میں دو قسم کے سقم پائے جاتے ہیں۔ ایک فنی اعتبار سے کہ یہ مبدء اور مقدمہ فنی طور کوئی

ایسی خاص وجوہات نہیں جس کی وجہ سے ایک کائناتی اصول معطل ہوکر بلا کسی وجہ اس میں بلا کسی قانون کے تقدیم وتاخیر رونما ہوتے رہیں۔ہم رات کو سینکڑوں ستارے پھر خاص کر چاند کا طلوع وغروب روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ کسی مقدمے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ ان اجرام کا طلوع وغروب کسی مبدء میں شامل ہیں مگر باوجود اس کے ان جرام کا طلوع وغروب مختلف خطوں اور موسم کے لحاظ سے متعین درجات پر واقع ہوتے ہیں۔ دوسرا سقم شرعی اعتبار سے کہ یہ مبدء اور مقدمے جیسے نئی اصطلاحات کی بنیاد پر کوئی حکم ثابت کرنا بجائے خود محتاج دلیل ہے۔ چہ جائیکہ جگہ جگہ مصنف صاحب دوسروں پر تعجب کا اظہار بھی فرمارہے ہیں۔

ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟

حصہ اول کے ابحاث کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ آسکتی ہے کہ یہاں بھی اس عبارت سے وہی مقصد کے حصول کی کوشش کی گئی ہے۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ صبح صادق کے لئے جب **First light of the day** ،دن عرفی کا مقدمہ اور مبدء جیسے تصورات زہن میں مضبوط ہوجاتے ہیں تو صبح صادق کا خیالی نقشہ یہ سامنے آتا ہے کہ اخیر رات میں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوگا اور اچانک جب پہلی روشنی نمودار ہوگی تو اسے بلا تامل صبح صادق قرار دی جائے گی ،اور جب ایک دفعہ یہ خیالی نقشہ تسلیم ہوجائے تو دوسری طرف اس حقیقت پر دور جدید کے سائنسدانوں اور ماہرین فن کا اجماع ہے کہ رات کے اخیر میں خالص اندھیرے کے بعد جس روشنی کا پہلا ظہور ہوتا ہے اس کا نام ہے فلکی فلق **(Astronomical Twilight)** اور اس وقت

سورج افق شرقی سے ۱۸درجے نیچے ہوتا ہے،تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ (فلکی فلق) ہی وہ روشنی ہے جسے صبح صادق کہا جاتا ہے۔حالانکہ اس طریقہ استدلال میں دو خامیاں پائی جاتی ہیں،ایک یہ کہ صبح صادق کا خیالی نقشہ الفجر فجرانً احادیث مبارکہ کے عمومی مفہوم ،فقہاء کرام کی اکثر تصریحات اور لطف یہ کہ تقریباً تمام متقدمین ماہرین فن فلکیات کی تحقیقات کے خلاف ہے،کہ ان سب حضرات نے افق شرقی پر اخیر رات میں روشنی کے ظہور کا باب جب ہی کھولا ہے تو ان بزرگوں نے سب سے پہلے صبح کاذب کی روشنی کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی ان حضرات نے بالاتفاق یہ تصریحات بیان کی ہیں کہ روشنی کی ابتداء صبح کاذب سے ہوتی ہے اس کے بعد اس کے اختتام پر صبح صادق کی روشنی نمودار ہونا شروع ہوتی ہے،اس بات پر پچھلے صفحات بلکہ اسی موضوع میں چند حوالے نقل کئے جاچکے ہیں۔دوسری خامی یہ ہے کہ زہنوں میں اس خیالی نقشے کو راسخ کرنے میں جو اصطلاحات اور تصورات استعمال کئے گئے ہیں کسی پر شرعی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ مجمل اور مبہم اصطلاحات کے سوا کچھ بھی نہیں،تفصیل کے لئے''حصہ اول'' کے مضامین ملاحظہ فرمالیجئے گا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

---

(۱) ملاحظہ ہو:

''فجر دراصل 'صادق' ہی ہوتی ہے''، ص: 17 ''کامل لیل اور ناقص لیل'' ص:25

صبح صادق میں اوّل طلوع کا اعتبار ہے

........صفحہ نمبر٧٦ تا صفحہ نمبر٨٥...........

ولا نزاع فيه

اس میں کوئی اختلاف نہیں

اگر طلوع صبح صادق کا مشاہدہ نہ ہوسکے تو تحقیق وحساب پر عمل کا حکم؟

........صفحہ نمبر ۸۵ تا صفحہ نمبر ۹۱........

یہاں جو بحث تحریر فرمائی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ کہ آج کل چونکہ مشاہدات مشکل ہیں لہٰذا بلاضرورت مشاہدہ محض رصدگاہوں اور سائنسدانوں کے تجربات پر اعتماد درست ہے بلکہ احتیاطاً واجب ہے۔اوراس پر متعدد فقہاء وعلماء کی عبارات نقل فرمائی ہیں۔

. اس حوالے سے ہماری گزارش یہ ہے کہ اس رائے کے ساتھ اتفاق اور اختلاف دونوں ممکن ہیں۔اگراس سے مراد یہ لیا جائے کہ جس وقت آسمان پر بادل وغیرہ آئے ہوں اور مطلع صاف نہ ہو تو اندازہ لگا کر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے وقت کا تعین کیا جائے ۔تو یہاں تک یہ بات بالکل درست ہے اوراس میں کوئی بھی شخص اختلاف نہیں کرسکتا اور یہ مسئلہ فقہاء کرام نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس میں صبح صادق کی بھی کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی۔

وفی یوم الغیم ینور الفجر کما فی حال الصحو ویؤخر الظهر لئلا یقع قبل الزوال،ویعجل العصر خوفاً من

ان وقع فی الوقت المکروہ ویؤخر المغرب حذراً عن

الوقوع قبل المغرب الخ ....(الفتاویٰ الھندیہ)

اس کے علاوہ فقہ کی تقریباً اکثر کتابوں نے یہ مسئلہ لکھا ہے، مگر خوف طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کر سکتے۔ اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ فنی حسابات کے ہوتے ہوئے مشاہدے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آج کل مشاہدات مشکل ہیں، غالبا مصنف کی مراد آخر الذکر ہے۔ مگر اس نظریے کے ساتھ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اتفاق قطعاً نہیں ہو سکتا۔

(۱)..... قرآن وحدیث کے ظاہر نصوص کے خلاف ہے۔

(۲)..... آج تک کسی فقیہ وغیرہ نے یہ بات نہیں لکھی اور نہ اس کا کوئی قائل ہوا ہے۔ اور یہ جو فقہاء کے چند حوالجات نقل کئے گئے ہیں کسی کی بھی دلالت تام اور صریح نہیں ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کا منشاء وہی ہے جو کہ ہم نے اوپر پہلے قول میں نقل کیا ہے کہ جب عارضی طور پر کوئی مانع آجائے جس کی وجہ سے سورج یا اس کے اثرات کا ظہور مشکل ہو تو ضروری ہے کہ کسی طریقے سے اس کا ادراک کریں۔

تسلی کے لئے ایک حوالے پر اکتفا کر رہے ہیں:

" وھذہ التغیئۃ انما ھی حیث یمکن التبین من طریق

المشاھدۃ فلو کانت مقمرۃ او مغیمۃ او کان فی موضع لا

یشاھد مطلع الفجر فانہ مامور بالاحتیاط فی دخول

الفجر اذلا سبیل لہ الی العلم بحال الطلوع فیجب علیہ

امساك الى التيقن بدخول وقت الطلوع استبراء لدينه۔

(صفحه نمبر۸۷ کتاب زیر تبصرہ)

مذکورہ بالا عبارت کو غور سے پڑھیئے اور بار بار پڑھ لیجئے گا۔اس میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئی ہیں:

(۱)......ایک یہ کہ آسمان میں بادل ہوں۔

(۲)....دوسرا یہ کہ ایسا علاقہ جہاں طلوع فجر کا مشاہدہ ناممکن ہو مثلاً غیر معتدل خطے۔

(۳)....تیسرا یہ کہ جب مشاہدہ میں ہر طرح کی ناکامی کا سامنا ہو تو پھر احتیاط کو مدنظر رکھ کر حساب کتاب سے فائدہ اٹھائے۔اور وہ فجر میں بالاتفاق تاخیر ہے۔یعنی جب تک یقین نہ ہو جائے اس وقت تک امساک واجب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ کہیں بھی نہیں منقول کہ مشاہدہ ضروری ہی نہ ہو۔بلکہ وقتی طور پر موجود حالات کے پیش نظر حساب،اندازہ لگا کر وقت معلوم کرنا ضروری ہے۔اور جب یہ عوارض موجود نہ ہوں تو بغیر مشاہدے کے محض سائنسدانوں کے قول پر اعتماد ہرگز جائز نہیں۔جبکہ آج مسلمان ماہرین بھی غیر مسلموں کی تحقیقات کو ہی حرف آخر سمجھ بیٹھے۔ یہاں صرف دو حوالے نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(۱) مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوریٰ،جمبوسر (برطانیہ) اپنی تصنیف ’’ برطانیہ واعلیٰ عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق‘‘ میں صفحہ نمبر۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

’’صبح شام ان تینوں شفقوں کی ابتداء وانتہاء کے وقت آسمان پر

روشنی کی کیا کیفیت ہوتی ہے،اس کی تشریح رائل گرین وچ آبزرویٹری کی سائنس ریسرچ کونسل نے اپنی آسٹرونومیکل انفارمیشن شیٹ نمبر سات میں جوکی ہے وہ درج ذیل ہے ....''

اس کے بعد تفصیل ذکر کے آسٹرونومیکل ٹویلائٹ کو صبح صادق قرار دیا ہے..........................

(۲) اسی طرح صفحہ نمبر۲۲۳ پر اردن کے کلیۃ الشریعہ کے ڈاکٹر ابراہیم الکیلانی صاحب کی عبارت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

"ومن هذه المعلومات المستفادة من الانسا كلو بيد يا البريطانيه والامريكيه وتحديد درجة واحدة هى درجة ١٨ لبداية الضوء فى مطلع النهار...الخ

(برطانیہ۔۔۔پر صبح صادق وشفق کی تحقیق'' ص۲۲۳)

ترجمہ: اور یہ معلومات کہ دن کی روشنی کی ابتداء سورج کے 18 درجے زیر افق سے ہوتی ہے،انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف امریکہ سے ماخوذ ہیں۔

اب جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ واقعی ہمارے مسلم علماء نے صبح صادق کے اقوال محض اہل مغرب سے لئے ہیں تو پھر ان کے قول پر اندھا اعتماد کر کے بغیر تائید مشاہدہ اور دیگر علمی تحقیق کے کیسے عمل کیا جاسکتا ہے؟ مجبوری اور عذر کی بات الگ ہے مگر جب بات تحقیق کی آتی ہے اور اسے مستقل قانون کی شکل میں عملی طور پر نافذ کی جارہی ہو،تو لازم ہے کہ

مشاہدات سے ان قواعد و بیانات کی تائید ہو جائے۔اس حوالے سے کسی خاص علاقے میں فضاء کا موزوں نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے۔اس کے لئے ملک کے دیگر علاقوں میں کمیٹیاں تشکیل دی جاسکتی ہیں، کوئی جلدی نہیں ہے، عجلت اور جلد بازی کی بجائے موقع اور موسم کے تلاش میں لگتے ہوئے سال بھی اس مسئلے کے حل ہونے میں لگ جائیں تو کوئی بات نہیں، مگر طریقہ کار عینی مشاہدات پر مبنی ہو کر خالص شرعی ہو، تو ایک محقق، بلکہ علماء اسلام کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

الحمد للہ اس فقیر نے صرف کتابی تحقیق پر ہرگز اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ اکیلے بھی اور ساتھیوں سمیت بیسوں مشاہدات کیئے ہیں، جن میں صبح صادق اور شفق ابیض دونوں مشاہدات شامل ہیں، اور اب بھی جب موقع ملتا ہے تو غنیمت جان کر کسی بھی ساتھی کو لے کر مشاہدہ کر لیتے ہیں، اس کی وجہ ۱۵ درجے والے نقشے پر عدم اطمینان ہرگز نہیں بلکہ یہ اہل علم ساتھیوں کی تسلی اور اطمینان کے لئے ہوتا ہے کیونکہ جتنے مشاہدات زیادہ ہونگے اتنی بات لوگوں کی سمجھ میں آسانی سے آئے گی اور جتنے بھی مختلف مشاہدین کی تعداد بڑھتی جائے گی اتنا لوگوں کو اس کو قبول کرنا آسان ہوگا۔اگر موقع وموسم اجازت دے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ فقیر اہل علم کی معیت میں مشاہدات میں شرکت سعادت سمجھ کر حاضر ہونے کے لئے بھر پور کوشش کرے گا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

کیا صبح صادق کی روشنی خالص سفید ہوتی ہے؟

........صفحہ نمبر۹۲ تا صفحہ نمبر۹۷........

کتاب مذکور میں صبح صادق کی روشنی کے حوالے سے بھی ایک تفصیلی بحث تحریر کی گئی ہے۔ انصاف کے ترازو میں تنقید برائے نقید کسی کلام کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ چنانچہ ہمارے تجزئے کا خلاصہ یہ ہے کہ محترم مصنف تحقیق فرماتے ہوئے یہاں بھی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

زیر بحث موضوع میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ''صبح صادق'' کی روشنی خالص سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اوراس موقف پر جہاں سے استدلال فرمایا گیا ہے وہ آیت کریمہ میں لفظ ''ابیض'' ہے۔ لکھا ہے کہ ابیض، صیغۂ اسم تفضیل ہے لہٰذا یہ اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ صبح صادق کی روشنی میں ماسوائے سفیدی کے کسی قسم کی رنگت کی آمیزش نہ ہو۔

حالانکہ اس سے مراد وہ مستطیر روشنی ہے جو بمقابل رات کے اندھیرے کے ہو لہٰذا بیاض جس میں حمرت کا نہایت ہی قلیل شائبہ پایا جاتا ہو ابیض ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل لغت نے صبح وغیرہ جیسے الفاظ اس شخص کے لئے استعمال کئے ہیں جس کی رنگت میں سفیدی کے ساتھ ساتھ سرخی کی جھلک موجود(۱) ہو علاوہ ازیں اکثر

---

(۱) والعرب تشبه الصبح بالبلق من الخيل لما فيه من بياض وحمرة (عون المعبود) اوراہل عرب صبح کوگھوڑوں کے بلق کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے کیونکہ اس میں بیاض کے ساتھ حمرت کا امتزاج ہوتا ہے۔۱۲منہ

احادیث میں بیاض کی بجائے احمر الفاظ آئے ہیں مثلاً ابوداوود اور ترمذی کی حدیث ہے:

(۱)...... کلوا واشربوا ولا یھیدنکم الساطع المصعد فکلوا واشربوا حتی یعترض لکم الاحمر رواہ ابوداود والترمذی ان جیسی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

قال الخطابی سطوعه ارتفاعه مصعدا قبل ان یعترض قال ومعنی الاحمر ھھنا ان یستبطن البیاض المعترض اوائل الحمرة واللہ اعلم ..... (عمدة القاری شرح صحیح البخاری)

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ سطوع سے مراد روشنی کا اونچائی کی طرف چڑھنا قبل اس کے کہ یہی مستطیل روشنی افق میں پھیل جائے۔اور فرمایا کہ یہاں سرخی سے مراد یہ ہے کہ بیاض معترض سرخی کے بالکل ابتدائی لمحات میں ظاہر ہوجائے۔

(۲).....اسی طرح فقہ حنفی کے معتبر امام زیلعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

و اما بیاض الشفق وھو رقیق الحمرة فلا یتأ خر عنھا الا قلیلاً قدر ما یتأ خر طلوع الحمرة عن البیاض فی الفجر.........(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق : جلد --- ص ---)

اور شفق کی بیاض (جس سے عشاء کا وقت متعلق ہے) تو وہ نہایت ہلکی سی حمرة پر مشتمل ہوتی ہے۔اور وہ (مغرب کے وقت حقیقی) حمرة سے اتنی دیر بعد ہوتی جتنی دیر صبح کے وقت حمرة بیاضِ فجر کے بعد ہوتی ہے۔

(۳) اسی طرح حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں تحریر فرماتے ہیں:

و اما بیاض الشفق وهو رقيق الحمرة فلايتأ خر عنها الا قليلاً قدرمايتأ خر طلوع الحمرة عن البياض فى الفجر.... (حاشيه طحطاوى على مراقى الفلاح ؛كتا ب الصلوٰة:)

اور شفق کی بیاض (جس سے عشاء کا وقت متعلق ہے) تو وہ نہایت ہلکی سی حمرۃ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور وہ (مغرب کے وقت حقیقی) حمرۃ سے اتنی دیر بعد ہوتی جتنی دیر صبح کے وقت حمرۃ بیاضِ فجر کے بعد ہوتی ہے۔

(۴) خود مصنف ''المغنی'' کا حوالہ نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

" وقت الصبح يدخل بطلوع الفجر الثانى اجماعاًوقد دلت عليه اخبار المواقيت،وهو البياض المستطير المنتشر فى الافق، ويسمى الفجر الصادق ،لانه صدقك عن الصبح وبينه لك ـ والصبح ماجمع بياضاً وحمرة، (صفحه ٥٠)

(۵) لغات کی مشہور کتب تاج العروس اور لسان العرب وغیرہ میں ''صبح'' کے ذیل میں صبح صادق کا معنی اور اس کی رنگت کا ذکر کرتے ہوئے امام ازہری کا قول لکھتے ہیں:

قلت : ولون الصبح الصادق يضرب الى الحمرة قليلاً كانها لون الشفق الاول فى اول اليل۔.................. (بحواله كتاب مذكور ص ٩٦)

میں کہتا ہوں کہ اورصبح صادق کا رنگ سرخی مائل سفید ہوتا ہے، گویا کہ یہ
رات کے ابتدائی حصے میں اول شفق (بیاض مستطیر) ہے۔(۱)

(۷) جیسا کہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ طلوالع وغوارب کیفیت وکمیت کے حوالے سے بالکل برابر ہوتے ہیں۔البتہ شرق وغرب کی تبدیلی کی وجہ سے ان کا ظہور ایک دوسرے کے برعکس ہوجاتا ہے۔لہٰذا اسی قاعدے کو مدنظر رکھ کر ذیل میں مولانا شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا حوالہ نقل کیا جارہا ہے۔جس میں انہوں نے شفق ابیض کی رنگت نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔شفق ابیض کی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: واقول: ان الشفق رقة الحمرة فیکون امرا بین البیاض والحمرة(۲) اورمیں کہتا ہوں کہ شفق ہلکی سی سرخی ہوتی ہے پس یہ بیاض اور حمرۃ کے درمیانی کیفیت ہے۔

(۸) تفسیر ابن جریر میں ایک حدیث "...۔انما الصبح اذاانفضح الافق" کے حاشیہ پر محقق احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

فضحه الصبح : دهمته الصبح ،وهی بیاضه فکشفه وبینه
للاعین بضوئه۔ والافضح : الابیض لیس شدید البیاض ..

.... (تفسیر ابن جریر الطبری)

---

(۱) ہزار دفعہ بھی اگر صبح کے لئے مشاہدہ کیا جائے،تب بھی بیان کردہ شفق کی طرح بیاض ۱۸ درجے پر نہیں دیکھا جاسکتا۔یہی منظر صبح وشام ان شاءاللہ تعالیٰ ۱۵ درجے پر ہر مسلمان دیکھ سکتا ہے،کاش کہ اس بحث کو تحریر فرماتے وقت صبح صادق نہ سہی کم ازکم شفق ابیض کا بھی مشاہدہ کیا ہوتا،تو آج اس فقیر کو یہ حاشیہ نہ لکھنا پڑتا۔

(۲) العرف الشذی شرح سنن الترمذی

مذکورہ بالا عبارات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ صبح صادق کی روشنی خالص اور چمکتی ہوتی سفید روشنی نہیں ہوگی بلکہ اس کے اندر نہایت معمولی سی سرخی کی آمیزش شامل ہوگی۔اس کا یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہیئے کہ افق شرقی پر باقاعدہ سرخ پٹی کے واضح اثرات نظر آنا شروع ہوجائیں گے، بلکہ اس سے مراد بس اتنا ہے کہ روشنی کی کیفیت چمکتی ہوئی خالص سفیدی سے کچھ کم ہوجائے۔یہی منظر اگر ملاحظہ کرنے کا ذوق ہے کسی کو تو بہترین طریقہ اس کا یہ ہے کہ شفق ابیض مستطیر کے اس لمحے کا مشاہدہ کیا جائے جو بالکل آخری ہوکر ختم ہونے والا ہو،جس کی طرف اشارہ امام ازہری کے قول میں واضح طور پر موجود ہے۔ان شاء اللہ اس سے صبح صادق کے مشاہدات میں بھی کافی مدد ملتی ہے۔

آگے ان حوالجات کے بارے میں عرض کیا جارہا ہے جنہیں کتاب مذکور میں ''خالص سفیدی'' کے اثبات میں دلیل کے طور پر نقل فرمائے گئے ہیں۔

خلط مبحث:

صفحہ نمبر ۹۳ پر ایک روایت نقل کر کے خلط مبحث کردیا گیا ہے، حدیث مندرجہ ذیل ہے:

عن قیس بن طلق حدثنی ابی طلق بن علی ان رسول اللہ ﷺ قال کلوا واشربوا ولایھیدنکم الساطع المصعد وکلوا واشربوا حتی یعترض لکم الاحمر ....

.... (سنن الترمذی ص ج)

اس کے علاوہ ابی داوود صحیح ابن حزیمۃ وغیرہ نے بھی اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

محترم مصنف کا بیان یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے بعض حضرات کو یہ دھوکہ ہوگیا کہ وہ

صبح صادق کی خالص سفید روشنی کی بجائے اس میں سرخی کی آمیزش کے قائل ہو گئے۔ یہ تو دعویٰ ہو گیا۔۔۔۔مگر اس دعوے پر کوئی ایسی دلیل نہ پیش کر سکے جو اپنی دلالت میں صریح ہو کر معارضہ سے سالم ہو۔

یہاں اس بات کا اقرار نہایت ضروری ہے کہ مصنف نے متعدد حوالے ضرور نقل فرمائے ہیں جن میں صبح صادق کی روشنی ''بیاض مستطیر'' سے موسوم کیا گیا ہے۔مگر ان تمام حوالجات کو سیاق وسباق کے ساتھ پڑھنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ لکھنے والوں بزرگوں کا ان عبارات کو نقل کرنے کا منشاء یہ نہیں تھا جو مصنف نے مراد لے کر اپنی دلیل کے طور پر پیش کئے ہیں۔ بلکہ ان فقہاء کی نظر میں ان لوگوں کی تردید مقصود تھی جو اختتام سحری (یعنی صبح صادق) کے حوالے سے صبح صادق کے ابتدائی طلوع کے نہیں بلکہ اس بات کے قائل تھے کہ جب تک آسمان خوب روشن ہو کر افق پر سرخی نظر نہ آجائے اس وقت تک صبح صادق کا حکم نہیں لگ سکتا، حتی کہ وہ یہاں تک کے قائل ہو گئے کہ جب تک افق پر سرخی غالب نہ ہو اس وقت تک سحری کھانا جائز ہے۔ چنانچہ سنن ترمذی میں مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ مندرجہ ذیل عبارت بھی موجود ہے:

قال وفی الباب عن عدی بن حاتم وابی ذر وسمرۃ قال ابو عیسیٰ حدیث طلق بن علی حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ والعمل علی ھذا عند اھل العلم انہ لا یحرم علی الصائم الاکل والشرب حتیٰ یکون الفجر الاحمر المعترض و بہ یقول عامۃ اھل العلم (سنن الترمذی ص ج)

ابوعیسیٰؒ (امام ترمذیؒ) فرماتے ہیں کہ طلق بن علی کی روایت اس طریق پر حسن غریب ہے، اور اہل علم کا اس بات پر عمل ہے کہ صائم کے لئے اس وقت تک کھانا پینا حرام نہیں ہے جب تک فجر کی سرخی نہ پھیل جائے، اور اسی پر عام اہل علم کا فتویٰ ہے۔

یہاں دونوں مسالک کے تفصیلی دلائل نقل کرنا مقصود نہیں ہے، محض یہ بتانا ہے کہ اختتام سحری (صبح صادق) کے حوالے سے دو مسلک پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو اختتام سحری کو صبح صادق کے بالکل ابتدائی روشنی کے ظہور کے قائل ہے یہی مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ جب صبح صادق کی سفیدی ظاہر ہونے کے بعد افق پر خوب روشن ہو کر پھیل جائے (یہاں تک کہ خالص سرخی کے ظہور کا وقت قریب آجاتا ہے) تو مذکورہ بالا حدیث "حتیٰ یعترض لکم الاحمر الخ" کی بنیاد پر اس مسلک کے قائلین کہتے ہیں کہ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جو " حتیٰ یتبین " کا صحیح مصداق بن کر اختتامِ سحری کا صحیح وقت ہوتا ہے، اور یہ مسلک مرجوح ہے۔

محترم مصنف نے جتنے بھی حوالے نقل فرمائے ہیں درحقیقت ان فقہاء کرام کے پیش نظر مسلک ثانی کا ابطال تھا، جن کی عبارات کے ٹکڑے یہاں نقل فرمائے گئے ہیں۔ بلکہ خود مؤلف کے بعض حوالوں میں اس مسلک کی تصریح اور پھر اس کا ابطال مذکور ہے۔ لہٰذا زیر بحث اختلاف (یعنی ۱۸ اور ۱۵) کے ساتھ ان حوالجات اور عبارات کا کوئی تعلق نہیں جنہیں یہاں استدلال کے طور پر نقل کئے گئے ہیں۔

چنانچہ حدیث بالا کے سیاق وسباق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث با قاعدہ بعض اہل علم

کے خاص مسلک کا مستدل ہے۔لہٰذا اصولی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس حدیث سے جو محدث یا فقیہ جواب کرتے ہوئے ''بیاض'' کی تصریح نقل کرے گا،تو اس سے لامحالہ یہی مراد لی جائے گی کہ ان کے مدِ نظر اس مسلک کی تردید ہے جو اس حدیث کے ظاہر پر مبنی ہے۔اور اس کا ذکر حدیث کے بعد متصل کیا گیا ہے۔

مرجوح مسلک:

یہاں چند بزرگوں کی تصریحات ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اس حدیث کے ظاہر پر بعض اہل علم نے ایک مسلک قائم کیا تھا جو جمہور اہل علم وفقہاء کی نظر میں درست ثابت نہ ہو سکا:

(۱)......امام رازی اپنی مایہ ناز تفسیر کبیر میں ''حتی یتبین'' کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

زعم الاعمش انه يحل الاكل والشرب والجماع بعد طلوع الفجر وقبل طلوع الشمس قياساً لاول النهار على آخره، فكما ان آخره بغروب القرص،وجب ان يكون اوله بطلوع القرص،وقال فى الآية ان المراد بالخيط الابيض والخيط الاسود النهار والليل،ووجه الشبهة ليس الا فى البياض والسواد،فاما ان يكون التشبيه فى الشكل مراداً فهذا غير جائز لان ظلمة الافق حال طلوع الصبح لايمكن تشبيهها بالخيط الاسود فى الشكل البتة، فثبت ان المراد

بالخيط الابيض والخيط الاسود هو النهار والليل ثم لما بحثنا حقيقة الليل فى قوله :﴿ ثم اتمو الصيام الى اليل ---﴾لو وجدناها عبارة عن زمن غيبة الشمس؛بدليل ان الله تعالى سماها بعد المغرب ليلاً مع بقاء الضوء فيه،فثبت انه يكون الامرفى الطرف الاول من النهار كذالك ،فيكون قبل طلوع الشمس ايضاً ليلاً،والا يوجد النهار الا عند طلوع الشمس،والا يلزم ان يكون آخرلنهار على زعمهم غياب الشفق الاحمر ،لانه آخر اثر الشمس،كما ان طلوع الفجر هو اول طلوع آثار الشمس ،واذا بطل هذا ،بطل ذاك .

........................(تفسیر کبیر للراضی،ص۳۱۵وص۳۱۶)

ترجمہ:

امام اعمشؒ آخرالنہار پر قیاس کر کے اول النہار کی بنیاد پر اس بات کا قائل ہے، کہ (روزہ دار کے لئے) صبح صادق کے بعد طلوع الشّمس سے قبل کھانا پینا اور جماع کرنا جائز ہے ۔جیسا کہ روزے کا آخر (یعنی اتموالصیام الی الیل) غروب شمس ہے تو واجب ہے کہ اس کی ابتداء بھی طلوع الشّمس ہو۔اور آیت میں خط ابیض وخط اسود سے دن ،رات مراد ہیں۔اور وجہ تشبیہ صرف بیاض اور سواد میں ہی

ضروری ہے، پس اگر شکل کے حساب سے تشبیہ ضروری قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ طلوع صبح صادق کے وقت اندھیری کی صورت کسی طرح بھی خط کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔اس سے ثابت ہوا کہ خط ابیض اوراسود سے مراد دن اور رات ہیں۔پھر جب ہم ﴿ ثم اتمو الصیام الی الیل ---﴾ کو مدنظر رکھ کر لیل کی حقیقت میں بحث کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ غروب الشّمس سے عبارت ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ مغرب کے بعد روشنی کی موجودگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس لمحے لیل سے مسمی فرمایا، تو اس سے ثابت ہوگیا کہ دن کی ابتداء(میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوکر اس) کو بھی یہی شامل ہو۔ چناچہ قبل طلوع الشّمس لیل قرار پاتے ہوئے طلوع الشّمس سے دن کا آغاز ہوگا۔اور مذکورہ بالا تقریر (یعنی اول النہار کو آخر النہار پر قیاس کر کے اس) درست نہ مان لی جائے، تو لازم آتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک (یعنی جو انتہاء سحر کو صبح صادق کے ساتھ متعلق مانتے ہیں) نہار یعنی روزے کی انتہاء شفق احمر کا غیوب ہووے، کیونکہ طلوع فجر کی طرح یہ بھی سورج کے آخری آثار ہیں۔اور جب ان کے نزدیک یہ بات (یعنی صوم کی انتہاء آخر شفق احمر) باطل ہے تو وہ (یعنی صوم کی ابتداء صبح صادق سے) بھی باطل ہے۔

اسی طرح اسی حدیث ترمذی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

وذهب جماعة من الصحابة وقال به الاعمش من التابعين وصاحبه ابوبكر بن عياش الى جواز السحورالى ان يتضح الفجر فروى سعيد بن منصور عن ابى الاحوص عن عاصم عن حذيفة قال تسحرنا مع رسول الله ﷺ هو والله النهار غير ان الشمس لم تطلع واخرجه الطحاوى من طرق صحيحة وروى سعيد بن منصور وابن ابى شيبةوبن منذر وذهب بعضهم الى ان المراد بتبين بياض النهار من سواد اليل ان ينتشر البياض فى الطرق والسك والبيوت ثم حكى ما تقدم عن ابى بكر وغيره وروى باسناد صحيح عن سالم بن عبيدالاشجعى وله صحبة ان ابابكرقال له اخرج فانظرهل طلع الفجرقال فنظرت ثم اتيته فقلت قدابيض وسطع ثم قال اخرج فانظر هل طلع فنظرت فقلت قد اعترض فقال الآن ابلغنى شرابى وروى من طريق وكيع عن الاعمش انه قال لولاالشهوة لصليت الغداة ثم تسحرت قال اسحاق هؤلاء رأوا جواز الاكل والصلاة بعدطلوع الفجرالمعترض حتى يتبين بياض النهار من

سواد الليل قال اسحاق و بالقول الاول اقول لكن لا اطعن
على من تاول الرخصة كالقول الثانی ولاارى عليه قضاء
ولا كفارة قلت وفی هذاتعقب على الموفق وغيره حيث
نقول الاجماع على خلاف ماذهب اليه الاعمش والله
اعلم .... (فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر)

معلوم ہوا کہ جن بزرگوں نے **ابیض اور اول طلوع الفجر** وغیرہ الفاظ تحریر فرما کر **حمرۃ** کی تردید فرمائی ہے اس سے مراد ان اقوال کی تردید ہے جن میں انتہاء سحری کو صبح کے خوب روشن ہونے کے ساتھ مشروط قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ بعض حضرات نے **بیاض فجر** کے بعد **ظہور حمرۃ** کو افق شرقی پر شرط قرار دیا ہے۔اور اپنے ان اقوال کی بنیاد ایک تو وہ احادیث بنائی ہیں جن میں صاف الفاظ **حمرۃ** کے آئے ہیں دوسرا استدلال ان کا اس حدیث سے ہے جس میں **خیط ابیض اور اسود** کی تشرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **انما ھو بیاض النہار وسواد الیل**۔تو انہوں نے استدلال یوں کیا کہ **بیاض النہار** تب صادق آئے گا جب افق خوب روشن ہو جائے اور سورج طلوع ہونے کو قریب ہو جائے۔تیسرا استدلال انہوں نے قیاس کیا ہے کہ جس طرح غروب کے بعد سورج کا اثر بیاض اور حمرۃ کی صورت میں دن نہیں بلکہ رات شمار ہوتا ہے تو بالکل اس کے متوازی (مگر سمت میں برعکس یعنی افق شرقی پر) بیاض اور حمرۃ لیل کا حصہ ہونا چاہئے۔

ہمارے فقہاء کرام اہل سنت والجماعت نے بالاتفاق ان اقوالوں کی تردید

فرمائی۔اوردلیل کے طور پرآیت کریمہ میں لفظ خط ابیض سے استدلال کر کے فرمایا کہ صبح صادق کی روشنی سرخ نہیں بلکہ سفید ہونا چاہیئے ،علاوہ ازیں لفظ خط سے اول طلوع پر استدلال کیا۔اوراحادیث جن میں خالص سرخی یا خوب روشن ہونے کا بیان ہے سے جواب کے طور پر فرمایا کہ ان کی یا تاویل کی جائے گی کہ حمرة بعض اوقات بیاض کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے یا یہ کہیں گے کہ احادیث کے مقابلے میں ظاہر نص کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا انہوں نے وہی تقاریر تحریر فرمادی جن کو تقریباً بالاستیعاب مؤلف صاحب نے نقل کیا ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ محترم مصنف صاحب نے عبارات مذکورہ جن لوگوں (یعنی قائلین ۱۵ درجے) کے خلاف پیش کی ہیں آیا ان لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ صبح صادق اول طلوع میں غیر معتبر ہے؟ آیا ان حضرات نے یہ دعوی کہیں نقل کیا ہے کہ وہ صبح صادق کے اول ظہور کے نہیں بلکہ افق پر خوب روشن ہونے اور گلیوں میں اس کی روشنی پھیلنے کو شرط قرار دیتے ہیں؟

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے لکھنے والے اصل مسئلے کو ابھی تک سمجھے ہی نہیں کہ فریقین کا اصل اختلاف کہاں ہے۔پہلے اس نکتے کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے ورنہ بے محل دلائل کا انبار لگانا ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتا۔۔۔۔۔۔یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ قائلین ۱۵ درجے والے شرعی طور پر صبح صادق کے ایسے ہی قائل ہیں جیسا کہ ۱۸ والے ہیں یعنی اس بات سے وہ بھی انکار نہیں کرتے کہ صبح صادق کا ابتدائی لمحے کا ظہور ہی معتبر ہے نہ یہ کہ ظہور کے بعد مزید روشنی پھیلنے کا گھنٹہ انتظار کیا جائے۔ہاں ابتدائی

لمحے کی روشنی میں اتنا پھیلاؤ ضرور ہونا چاہئے جس سے صفت استطار ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا بیاض خالص کے اثبات اور تردید حمرۃ کے حوالے سے جتنی بھی عبارات محترم مصنف نے نقل فرمائے ہیں، سب کا یہی منشا ہے یعنی ان روایات سے ان لوگوں کے خلاف استدلال تو بجا ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا مگر جو لوگ (مثلاً قائلین ۱۵) بیاض مستطیر کے اول طلوع کو اعتبار دے کر صبح صادق تسلیم کرتے ہیں، ان کے خلاف ان عبارات سے احتجاج کرنا بالکل خلاف موضوع کے زمرے میں داخل ہوگا۔

قابل تعجب:

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں ان باتوں کی تردید میں بھی کافی کوشش صرف کی گئی ہے جن کے خود ۱۸ درجے والے دیگر حضرات بھی قائل ہیں۔ یہاں اس عنوان کے تحت اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ صبح صادق کی روشنی مائل بسرخی نہیں بلکہ خالص سفید ہوتی ہے۔ حالانکہ موجودہ وقت میں ۱۸ درجے کے سب سے بڑے محقق محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب بھی اس بات کے قائل ہے کہ صبح صادق کی بالکل ابتدائی روشنی خالص سفید نہیں بلکہ اس میں سرخی کی آمیزش ہوتی ہے۔ چنانچہ ''غلط فہمی کی وجہ'' کے عنوان کے تحت ''دوسرا مغالطہ'' کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''(الف) یہ سمجھنا کہ سورج ۱۵ درجات زیر افق کی حد کو صبح کے وقت جب پہنچ جاتا ہے صرف اسی وقت پھیلی ہوئی روشنی میں مدہم سرخی کی آمیزش ہوتی ہے، اور اس سے پہلے لمحات میں نہیں ہوتی قطعی غلط فہمی ہے، یہ بات عین مشاہدہ کے خلاف ہے، اور علم ہیئت کے

ابتدائی اصولوں کے بھی منافی ہے،(ب)مزید یہ سمجھنا کہ ۱۵اور۱۸ درجات کے مابین وقفہ میں جو روشنی ہوتی ہے وہ قطعی سرخی کے جھلک سے پاک ہوتی ہے،(یا) عین سفیدی مائل ہوتی ہے،اور صرف سرخی کی جھلک یا آمیزش روشنی میں اس وقت آتی ہے جب سورج ۱۵ درجات زیر افق کی حد کو (صبح کے وقت) پہنچ جاتا ہے،سراسر مغالطہ ہے۔.......(صبح صادق وصبح کاذب،صفحہ نمبر:۱۲۱،۱۲۲)

مزید آگے''دعوت فکر'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ روشنی بالکل سفیدی مائل نہیں ہوتی بلکہ اس میں ہلکی سی، مدہم سی، ابتدائی لمحات میں انتہائی معمولی سرخی کی آمیزش بھی ہوتی ہے، جو بتدریج بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔'' ....(بحوالہ بالا صفحہ نمبر:۱۲۸)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

'' ۱۵ درجات زیر افق کی حد کو آفتاب کے پہنچ جانے کے بعد ہی سرخی کی جھلک کے آثار روشنی میں نمودار ہوتے ہیں ،اوراس سے پہلے پہلے روشنی قطعی سرخی کی آمیزش سے پاک ہوتی ہے سراسر غلط فہمی ہے،اور مشاہدات وتحقیقات کے منافی ہے۔'' ....(بحوالہ بالا صفحہ نمبر:۱۲۹)

ایک مقام میں ڈائرکٹر آف سپارکو سے ایک مراسلے میں اسی علامت کے بارے میں استفسار فرماتے ہیں:

''اس خاص لمحہ میں جب کہ سورج زیر افق ۱۸ درجات عرض البلد پر پہنچتا ہے تو کیا پورے کے پورے افق پر روشنی بیک وقت سرخی کی آمیزش کے ساتھ نمودار ہوجاتی ہے ؟ یا شروع ہوتے ہوئے (ابتدائی لمحات میں) روشنی ایک مخروطی شکل میں بغیر سرخی کی آمیزش کے نمودار ہوتی ہے؟'' ....(حوالہ بالا صفحہ:۱۸۵)

اس کے جواب میں جناب محمد حنیف صاحب ڈائرکٹر آف سپارکو نے مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا ہے:

''صبح کے وقت (جبکہ آفتاب ۱۸ درجے زیر افق ہوتا ہے) فلکی فلق (Astronomical Twilight) کی ابتداء کے موقع پر پورا افق ہلکی سرخی مائل روشنی سے منور ہوجاتا ہے...............
....(حوالہ بالا صفحہ نمبر:۱۸۸)

جوابات کے ساتھ اختلاف یا اتفاق ایک الگ بحث ہے مگر یہ حقیقت اس سے صراحت کے ساتھ ثابت ہورہی ہے کہ صبح صادق ان حضرات کے نزدیک بھی خالص سفید نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس سفیدی کے ساتھ نہایت ہلکی سی سرخی کی جھلک ضروری ہے۔ حالانکہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید روشنی میں سرخی کا احتمال ۱۸ درجے پر نہیں بلکہ ۱۵ درجے پر ہوتا ہے:

''آفتاب جب ۱۸ درجے زیر افق سے ۱۵ درجے زیر افق پہنچ جائے تو افق پر موجود روشنی نہ صرف خاص تیز ہوگی بلکہ اس میں سرخی کے

پائے جانے کا بھی بہت زیادہ احتمال ہوگا‘‘..(بحوالہ بالا صفحہ نمبر ۱۹۳)

مگر سوال یہ ہے کہ محترم مصنف نے صبح صادق کی روشنی میں سرخی کی قلیل آمیزش کی بجائے خالص سفیدی قرار دیتے ہوئے اپنے پیش رو کے برعکس ایسا کیوں کیا؟ محترم کے اصول تحقیق اور دیگر حقائق کو مدنظر رکھ کر یہ جواب بالکل واضح ترین ہے کہ قائلین ۱۵ کے نزدیک چونکہ ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی غیر مستطیر ہونے کے ساتھ ساتھ خالصتاً سفید بھی ہوتی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے، تو مؤلف نے بجائے اس کے کہ ۱۸ درجے پر صبح صادق کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اس وقت کی روشنی مستطیر ہونے کے علاوہ مائل بسرخی ثابت کرے، الٹا اس بات سے انکار ہی مناسب سمجھا کہ صبح صادق کی ابتدائی روشنی خالص سفید ہوتی ہے۔ اور استشہاد کے طور پر وہ تمام عبارات نقل فرمادئے جن میں مطلق بیاض کا تذکرہ آیا ہے، جو بالآخر قلب موضوع کا ہی سبب بن گیا۔ حالانکہ اگر ایسا ہی تھا تو جناب پروفیسر صاحب کو ڈائرکٹر آف سپارکو سے اس سوال کی کیا حاجت؟ یہ سارے حوالے ان کے سامنے بھی موجود تو تھے۔ لفظ ’’بیاض‘‘ سے استدلال کر کے دو الفاظ میں مؤلف کی طرح بیان فرما دیتے۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ فریقین کا اس بات میں شرعی اختلاف ہی نہیں تھا۔ کہ صبح صادق کی روشنی شرعی نقطہ نظر سے دونوں کے درمیان مختلف فیہ ہو۔ جھگڑا تو اس حوالے سے چل رہا تھا کہ جو صبح صادق دونوں کے نزدیک مسلم ہے فنی طور پر وہ کس روشنی کا نام کہلایا جا سکتا ہے؟ مگر حضرت مؤلف نے ان حقائق کے برعکس موجودہ اختلاف کو فن سے نکال کر شرعی نزاع قرار دے دیا۔

فجر اور مغرب کا وقت برابر ہونے
اور وقت عشاء کی تحقیق

........صفحہ نمبر ۹۸ تا صفحہ نمبر ۱۲۹........

ان صفحات میں دو بڑی باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ایک یہ کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے غروب کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ ماشاءاللہ محترم مصنف نے دلائل نقلیہ وعقلیہ سے اپنے دعوے کو خوب مبرہن فرمایا ہے بہت اچھی محنت کی ہے۔جبکہ دوسری بات یہ لکھی ہے کہ کسی دن کے صبح صادق اور طلوع الشّمس کے درمیان جتنا وقفہ ہوتا ہے اتنا ہی وقفہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے درمیان ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر فجر اور عشاء کے اوقات دورانیہ اور کیفیت کے حوالے سے برابر ہوتے ہیں ان دونوں باتوں میں مصنف کے ساتھ الحمدللہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ یہاں اس ناچیز کی ایک گزارش یہ ہے، کہ دوسری بات کے حوالے سے کہ صبح صادق تا طلوع الشّمس کا دورانیہ اور کیفیات وعلامات بالکل اسی طرح ہوتے ہیں جیسا کہ غروب شمس تا اختتام شفق ابیض معترض کے ہوتے ہیں۔اور اس پر محترم مصنف نے فقہاء وعلماء کے کافی سارے حوالے نقل فرمائے ہیں، تو گزارش یہ ہے کہ صبح صادق وکاذب کے مشاہدات اگر کچھ مشکل ہیں تو فی الحال وہ نہ سہی، مگر شفق ابیض کے مشاہدے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے، لہٰذا ہر شخص عشاء کا مشاہدہ کر کے تفصیلات نوٹ فرما لیجئے گا، اور اگر اس فقیر کو بھی نتائج سے آگاہ فرمایا تو عین نوازش ہوگی۔

صبح صادق کا طلوع اور شفق ابیض کا غروب کتنے درجہ زیر افق ہے؟

.......صفحہ نمبر ۱۳۰ تا صفحہ نمبر ۱۶۲........

ان صفحات میں تحریر فرمایا ہے کہ صبح صادق کے وقت سورج کے زیر افق زاویہ (۱۸ اور ۱۵) میں علماء کرام کے مابین اختلاف ہے۔ ۱۸ درجے کا قول جمہور اور متوارث جبکہ ۱۵ درجے کا قول مرجوح ہے۔ مصنف نے یہاں ان حضرات علماء، مفسرین ومحدثین کے حوالے نقل کئے ہیں جنھوں نے اپنی تحریرات میں صبح کا وقت ۱۸ درجے زیر افق بتلایا ہے۔ ہم یہاں فرداً فرداً ان عبارات کا تجزیہ کرکے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ اور جمہور وغیر جمہور والی بحث کو اگلے حصے کے لئے چھوڑ رہے ہیں ان شاء اللہ وہاں حصہ سوم میں اس پر تفصیلی کلام عرض کیا جائے گا کہ جمہور کا عمل کس پر ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور محققین علماء وماہرین کی نظروں میں صبح صادق کے حوالے سے ۱۵ درجے کا حکم کیا ہے؟ اب کتاب مذکور میں ذکر کردہ اقوال علماء وعبارات کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

(۱).......علامہ آلوسیؒ کا حوالہ:

یہاں سورۃ التکویر کی آیت "والصبح اذا تنفس" کے تحت روح المعانی سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد صبح صادق ہے پھر آگے لکھا ہے کہ : ثم الظاهر ان التنفس

الصبح وضياءه بواسطة قرب الشمس بمقدار معين وهو فی المشهور ثمانية عشر جزءاً (صفحہ نمبر ۱۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ صبح صادق ۱۸ درجے پر طلوع ہوتی ہے۔

جواب :

(۱)......کسی جدید مسئلے میں اہل علم کے مابین اختلاف جب اس حد تک پہنچ جائے کہ ان اقوال کے درمیان کسی قسم کی تطبیق دینا مشکل ہو جائے، تو پھر تحقیق کا تقاضاء یہ ہوتا ہے کہ ساری اختلافات واقوال کو بالائے طاق رکھ کر مسئلہ کا ازسرنو تحقیقی جائزہ لینا چاہیئے ۔کسی کے قول کو نہیں بلکہ اس قول کی بنیادوں کو ٹٹولی جائیں۔ اگر وہ کچھ فنی باتیں ہیں تو فن کی تفصیلات سامنے لائی جائیں پھر ان تفصیلات کو قرآن، احادیث اور ائمہ ومجتہدین کے اصولوں اور تشریحات کے سامنے پیش کی جائیں، جس قول کی تائید ہوتی ہے اس کو قبول کیا جائے جس کی تردید ہوتی ہے اس کو ترک کر دیا جائے۔ ایسی صورت حال میں محض کسی سائنسدان یا کسی علمی شخصیت کے قول کو اس کا قول اور رائے قرار دیا جائے گا جب کہ ترجیح اس قول کو حاصل ہوگی جس کی تائید اصول وضوابط سے ہو رہی ہو۔

آپ نے پچھلے ان تمام ابحاث کو مع نقد وتبصرہ کے ملاحظہ فرمایا جسے محترم مصنف نے اپنے موقف کے اثبات کے طور پر نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

(۱).....۱۸ درجے پر ظاہر روشنی خالص سفید ہوتی ہے، یہ مصنف کو بھی تسلیم ہے۔ جبکہ نہایت تفصیل کے ساتھ اس بات کا ابطال ثابت ہو گیا کہ جو روشنی خالص سفید ہوتی ہے وہ صبح صادق نہیں کہلائی جاسکتی، بلکہ اس میں قلیل سرخی کا غیر واضح اثر ہونا ضروری ہے۔

(۲).......۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی افق شرقی پر اخیر لیل میں سب سے پہلی روشنی ہوتی ہے، یعنی اس کے ظہور سے پہلے افق شرقی پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوتا ہے۔

حالانکہ پچھلی تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے، کہ خالص اندھیرے سے اولین ظاہر ہونے والی روشنی صبح کاذب ہی کی ہوتی ہے۔

(۳)......یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ ۱۸ پر صادق ماننے سے وہ خطرہ ہی ختم ہو جاتا ہے حالانکہ بے شمار احادیث میں لا یغرنکم بیاض مستطیل وغیرہ جیسے الفاظ میں نہایت تنبیہ فرمایا گیا ہے۔

(۴)...... بروجی روشنی کو صبح کاذب اور آسٹرونومیکل ٹویلائٹ یعنی ۱۸ درجے پر صبح صادق ماننے سے احادیث میں منقول الفجر فجران ،حتی یستطیر اور فقہاء کرام کے ان اقوال جن میں فجرین کے درمیان مطلق اندھیرے یا قلیل وقفے کا تذکرہ موجود ہے، کی مخالفت کی لازم آتی ہے۔

(۵)......ایک اور وجہ جو غالباً یہاں نہیں ذکر کیا گیا ہو وہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی کافی دیر کے بعد (بلکہ ۱۵ درجے پر) اپنی حدود سے تجاوز شروع کر دیتی ہے ،حالانکہ فقہاء کرام نے صادق کی روشنی کے ظہور کے فوراً بعد استطارت اور انتشار کا ذکر فرمایا ہے۔ینتشر انتشاراً سریعاً وغیرہ جیسے عبارات بالکل مصرح ہیں۔

نکات بالا کا تفصیلی بیان پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب ۱۸ درجے کی بنیادیں ہی اپنی جگہ ٹکا نے نہیں لگی ہیں تو پھر دوسرے (یعنی ۱۵ درجے والے) قول

(جس کی تائید قرآن، احادیث اور دیگر اکابر فقہاء اور علماء ودیندار متقدمین ماہرین ہیئت کی تصریحات کررہی ہوں، علاوہ ازیں ماضی بعید، قریب اور حال ہی میں متدین علماء کرام اور دیگر حضرات کے مشاہدات اس کی حقانیت کی گواہی دے رہے ہوں تو ان) کے ہوتے ہوئے ۱۸ درجے والی رائے کو تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے۔ جبکہ اس میں صبح کاذب کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔

(۶)......مصنف نے جہاں علامہ آلوسیؒ کے حوالے سے " والصبح اذا تنفس " کی تفسیر میں صبح قرار دینے والی عبارت تحریر کی ہے۔ وہاں علامہ صاحبؒ نے بالکل متصل مندرجہ ذیل عبارت بھی درج فرمائی ہے:

و کلام بعض الاجلة یشعر بانه فیها اشارة الی الکاذب حیث قال یؤخذ من تسمیة الفجر الاول عارضاً للثانی انه یعرض للشعاع الناشی انحباس قرب ظهوره کما یشعر به التنفس فی قوله تعالیٰ ﴿والصبح اذا تنفس﴾ فعند ذالك الانحباس یتنفس منه شیء من شبه کوة والمشاهد فی المنحبس اذا خرج بعضه دفعة ان یکون اوله اکثر من آخره ویعلم من ذالك سبب طول العمود واضاءه اعلاه

.... (روح المعانی ،سورة التکویر ج:۳۰،ص:۵۹)

یعنی بعض جلیل القدر اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ﴿والصبح اذا تنفس﴾ میں صبح کاذب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مصنف نے علامہ صاحبؒ کی جو دو عبارات نقل فرمائی ہیں، پہلی عبارت میں ”و الصبح اذا تنفس “ کی تفسیر صبح صادق سے کی گئی ہے، جبکہ دوسری عبارت میں ”صبح“ کو ۱۸ درجے پر بتلایا ہے۔ ان دونوں عبارات کے درمیان متصل جو عبارت حذف کر کے مصنف نے اس کی جگہ نقطے (.....) لگائیں ہیں وہ یہی عبارت ہے، جسے ہم نے اوپر نقل کی۔

گویا کہ آخری عبارت جس میں ” صبح “ کو ۱۸ درجے پر بتلایا ہے، علامہؒ نے اس سے پہلے ” اذاتنفس “ کی دونوں تفسیریں، اوّل صبح صادق پھر بعض اجلہ کی طرف سے صبح کاذب نقل کی ہیں۔ اس کے بعد ۱۸ درجے کی تصریح فرمائی ہے اور مزے کی بات یہ بھی ہے کہ یہاں علامہؒ نے ” صبح “ کے ساتھ کوئی صادق کا لفظ بھی استعمال نہیں فرمایا، جس سے یہ احتمال اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے، کہ ہوسکتا ہے اس سے دونوں اقوال و احتمالات (یعنی صبح کاذب و صادق) کی طرف اشارہ مقصود ہو۔

(ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

(۲) علامہ سائحانیؒ اور

(۳) علامہ شامیؒ کا حوالہ:

ان میں بھی وہی تقریر جاری ہوگی جو کہ پہلے علامہ آلوسیؒ کے حوالے کے ذیل میں عرض کی جا چکی ہے کیونکہ دونوں حوالے ایک ہی نوعیت کے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ دونوں حوالے مصنف کے دعوے پر بالکل صراحت کے ساتھ

بلا احتمال غیر دلالت نہیں کر پاتے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علامہ شامیؒ کے نزدیک صبح صادق اور صبح کاذب کے درمیان تین درجے کا وقفہ ضروری ہے۔ جب ہم ۱۸ درجے پر صبح صادق فرض کرتے ہیں تو لازم آتا ہے کہ ۲۱ درجے پر صبح کاذب طلوع ہو، اور اس بات پر متقدمین اور دور جدید کے ماہرین فلکیات کا اجماع ہے، کہ ۲۱ درجے پر کسی قسم کی روشنی افق شرقی پر نمودار نہیں ہوتی حتیٰ کہ ۱۸ درجے سے پہلے آسمان پر مکمل اندھیرا چھایا ہوتا ہے۔ حالانکہ پچھلی ابحاث سے معلوم ہوا کہ صبح کاذب کی روشنی ختم ہوتے ہوتے صبح صادق کی روشنی نہایت معمولی وقفے کے بعد نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(۴) ابوریحان البیرونیؒ کا حوالہ:

محترم مصنف نے مسلمان ماہرین فلکیات میں سے مشہور ریاضی دان ابوریحان البیرونیؒ کی تائید بھی حاصل کرنا چاہا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ البیرونی نے جہاں آخر عبارت میں مطلق صبح کے درجات ذکر کئے ہیں اس سے مراد صبح صادق ہے۔ مگر ہوتا اس طرح دکھائی نہیں دیتا۔ البیرونی عبارت اور اس کی توضیح مندرجہ ذیل ہے، مگر ہم اس عبارت کو ٹکڑوں میں نقل کریں گے تاکہ نئے لوگوں کو آسانی سے سمجھ آجائے:

" الفجر وھو ثلاثة انواع :او لھا مستدق مستطیل منتصب یعرف بالصبح الکاذب و یلقب بذنب السرحان و لا

يتعلق به شیء من الاحكام الشرعية و لا من العادات الرسمية، والنوع الثانی منبسط فی عرض الافق مستدير كنصف دائرة يضربه العالم فينتشرله الحيواناتطوالناس للعادات،وتنعقد به شروط العبادات۔والنوع الثالث حمرة تتبعها و تسبق الشمس و هو كالاول فی باب الشرع و علیٰ مثله حال الشفق فان سببهما واحد و كونهما واحد ، و هو ايضاً ثلاثة انواع مخالفة الترتيب لما ذكرنا ، و ذالك ان الحمرة بعد غروب الشمس اول انواعه ، و البياض المنتشر ثانيها ، و اختلاف الائمة فی اسم الشفق علی ايهمايقع اوجب ان يتنبه لهما معاً ،

ترجمہ: فجر کی تین قسمیں ہیں،پہلی بھیڑئے کی دم کی طرح مستطیل جسے صبح کاذب کہا جاتا ہے۔اس کے ساتھ احکام شرعیہ اور دنیوی معاملات کا (براہ راست) کوئی تعلق نہیں۔دوسری قسم افق پرنصف دائرہ کی طرح پھیلی ہوئی ہے،جس سے عالم روشن ہوجاتا ہے،اس میں انسان وحیوانات اپنی عادات کے مطابق چل پڑتے ہیں ، اوراس کے ساتھ عبادات کے شرائط متعلق ہیں۔اورقسم سوم حمرۃ ہے، شرعی امورمیں اس کا بھی وہی حکم ہے جوکہ پہلی کا ہے۔

اور بالکل اسی طرح معاملہ (افق غربی میں) شفق کا بھی ہے، کیونکہ

اس کا بھی وہی سبب ہے جو کہ فجر کا ہے۔اس کی بھی تین اقسام ہیں
مگر ترتیب فجر کے برعکس ۔اس کی تفصیل یہ ہے، کہ غروب شمس کے
بعد حمرۃ پہلی قسم ہے، اور بیاض منتشر (یعنی افق میں معترض) دوسری
قسم ۔شفق کس کا نام ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

عبارت مذکورہ میں پہلے صبح کی تین اقسام اسکے بعد اسی ترتیب کے برعکس شفق کی تین حالات کا تذکرہ اجمالاً اور دو (یعنی حمرۃ اور بیاض مستطیر) کا تذکرہ تفصیلی آ گیا۔

و الثالث المستطیل المنتصب الموازی للذنب السرحان ، و انما لا یتنبه الناس له لأن وقته عند الاختتام الاعمال و اشتغالهم بالاکتنان، و اما وقت الصبح فالعادة فیه جاریة باستکمال الراحه و التهیؤ للتصرف فهم فیه منتظرون طلیعة النهار لیأخذوا فی الانتشار فلذالك ظهر لهم هذا و خفی ذالك ،

اور تیسرا (شفق) ذنب سرحان کے موازی مستطیل بیاض ہے، اور اس سے لوگ اس وجہ سے بے خبر رہ جاتے ہیں کہ کام کاج کے اختتام کی بنا پر ایک خفیہ وقت ہے۔اور صبح (کاذب) کا وقت تو لوگوں کی عادت ہے کہ اس وقت ان کا آرام تقریباً مکمل ہو جاتا ہے، اور دن کے طلوع اور کام کاج کے لئے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں پس اسی بنیاد پر یہ (یعنی بیاض مستطیل فی الصبح لوگوں کی بیداری

کی وجہ سے)ان پر ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ (یعنی شفق مستطیل اختتام شغل کی بنا پر)لوگوں پر مخفی رہ جاتا ہے۔ (۱)

و بحسب الحاجة الى الفجر و الشفق رصد اصحاب هٰذه الصناعة امره فحصلوا من قوانين وقته ان انحطاط الشمس تحت الافق متىٰ كان ثمانية عشر جزء كان ذالك الوقت طلوع الفجر فى المشرق و مغيب الشفق فى المغرب و لمّا لم يكن شياً معيناً بل بالاول مختلطاً اختلف فى هٰذا القانون فراٰه بعضهم سبع عشر جزءاً ۔

مصنف نے اس عبارت میں ''بحسب الحاجۃ'' سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چونکہ صبح کاذب کے ساتھ لوگوں کے کسی قسم کے دنیوی اور دینی حوائج مطلق نہیں ہیں لہٰذا بحسب الحاجۃ کے بعد جس فجر کا ذکر کیا جا رہا ہے اس سے مراد لامحالہ صبح صادق ہی ہے۔

---

(۱) یاد رکھئے کہ فلذالک میں وجہ مذکور یعنی بوجہ اختتام شغل کی طرف صریح اشارہ ہے جو صرف شفق ابیض مستطیل میں ہی پایا جاتا ہے لہٰذا خفی ذالک صرف شفق مستطیل کے ساتھ ہی متعلق ہوگا۔ مصنف کا یہاں ''خفی ذالک'' سے شفق مستطیل اور فجر مستطیل دونوں مراد لینا ترکیب عبارت کے خلاف ہے۔ مصنف یہ کوشش اس لئے کر رہے ہیں تا کہ " ظهر لهم هٰذا " سے بیاض مستطیر لیا جا سکے ۔ مگر مصنف کا یہ استنباط بوجہ '' فلذالک '' قطعاً درست نہیں ہے۔ کیونکہ ظہور وخفاء کے جو اسباب ذکر کئے گئے وہ شفق میں اختتام شغل اور صبح میں تکمیل آرام ہیں۔ لہٰذا دونوں کے اسباب علیحدہ ہونے کی بنا پر لوگوں پر ظہور وخفاء بانفرادہ شفق وصبح میں الگ الگ ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ فجر یا شفق دونوں میں اس کا اجتماع ہو کہ بیاض مستطیل شفق اور بیاض مستطیل فجر دونوں ''خفی ذالک'' کا مصداق بن جائیں۔

اسی طرح مصنف نے و لمّا لم یکن شیاً معیناً بل بالاول مختلطا الخ کے تحت بھی تفصیلی بحث کی ہے، کہ اول سے اختلاط اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد صبح صادق ہے، حالانکہ خود یہ الفاظ اس معنی پر صراحتاً دلالت نہیں کرتے جو محتمل لمعنی آخر نہ ہو۔ مگر اس کے باوجود یہاں اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ اس صورت میں قائلین ۱۸ درجے والے حضرات کے لئے کئی باتیں نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے بالکل صراحت کے ساتھ یہ حقیقت سامنے آگئی کہ صبح کاذب کی روشنی بیاض مستطیر کے طلوع تک نظر آتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ البیرونیؒ کا طرزِ کلام یہ بتارہا ہے کہ جن خطوں میں صبح صادق کا طلوع پایا جاتا ہو تو عمومی طور پر وہاں پر صبح کاذب بھی اس کے ساتھ متصل نظر آتی رہی ہوگی، تیسری بات یہ کہ لم یکن شیئاً معیناً سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق کا وقت کوئی خاص درجات کے ساتھ متعین نہیں ہے، حالانکہ جناب مصنف صاحب سمیت قائلین ۱۸ درجے والے حضرات ان امور میں سے کسی کے بھی قائل نہیں ہیں۔

ہماری توضیح:

جیسا کہ والثالث المستطیل والی دوسری عبارت سے معلوم ہوگیا کہ لوگوں کی عادت یہ رہی ہے کہ صبح صادق سے پہلے منتظر رہتے ہوئے فجر اوّل (صبح کاذب) ہی میں تیاری کا اہتمام کرتے گویا کہ ان کی تیاری اور ضرورت اسی فجر اول ہی سے متعلق تھی۔ لہٰذا کسی وقت میں کسی قوم کا کسی کام کے لئے خاص اہتمام ہی ان کی ضروریات میں سے ہوجاتا ہے، چنانچہ یہ اہتمام ہی ان کے لئے تحقیق وتفشیش کا باعث بن گیا ہے

اوراسی اہتمام وتیاری جیسے ضروریات وحاجات کوسامنے رکھ کرہی وہ فجر کی تعیین میں مشغول ہوگئے۔

استشہاد نمبرا:

مذکورہ بالاتقریر سے تو یہ بات ثابت ہوچکی کہ البیرونی ؒ نے مطلق صبح کا تذکرہ کرتے ہوئے ،اس سے مراد''اول فجر (یعنی صبح کاذب)'' ہی لیا ہے۔چونکہ یہ تقریر اس ناچیز کی ہے لہٰذا بہت امکان ہے کہ راقم البیرونی ؒ کا منشاء نہ سمجھ پا کر یہ تحریر پیش کرڈالی ہو۔لہٰذا یہاں مزید وضاحت اس مقصد کے لئے ناگزیر ہے کہ متقدمین ماہرین فن ہیئت یہاں کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟چنانچہ یہی بات کتاب التصریح کے حاشیہ پر بالکل صراحت کیساتھ منقول ہے :

ان انحطاط الشمس من الافق عند اول طلوع الصبح وهو البياض المستطيل المسمى بالكاذب وآخر غروب الشمس وهو البياض المستدق المستطيل الذى قلما يدرك صفاء ه لوقوعه فى وقت النوم ورجوع الناس الى مساكنهم للاستراحة بخلاف اول الصبح فانه وقت استكمال الراحة والاستعداد للمصالح فالناس ينتظرون فيه طليقة النهار بطلوع الفجر لينتشروا لابتغاء حوائجهم يكون ثمانية عشر جزء من دائرة الارتفاع .... (التصريح صفحه نمبر ٦٨ حاشيه ٥)

ترجمہ: یقیناً افق سے سورج کا جھکاؤ اول صبح کے وقت جو کہ سفید مستطیل روشنی ہوکر کاذب کہلاتی ہے، اور غروب شمس کے بعد آخر شفق جو بیاض مستطیل ہوتی ہے اور چونکہ اس وقت لوگ (دن بھر کام کرنے کے بعد) آرام کرنے کیلئے گھروں کو لوٹنے اور سونے کی تیاری میں مصروف ہوتے ہیں، اسلئے اس کا ادراک کم ہوتا ہے۔ بخلاف اول صبح کے کہ یہ آرام کی تکمیل اور دیگر مصالح دنیویہ کی تیاری کا وقت ہوتا ہے اسلئے لوگ اس وقت دن کی روشنی اور صبح کا انتظار کرتے ہیں تاکہ نکل کر اپنے حوائج کو پورا کرنے کی کوشش میں لگ جائیں (تو ان اوقات، یعنی اول صبح اور آخر شفق، میں) سورج ۱۸ درجے زیر افق ہوتا ہے۔

آپ حضرات ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ عبارت مذکورہ میں اول الصبح کو البیاض المستطیل المسمی بالکاذب بتلایا اور پھر اس کی وجوہات ذکر فرمانے کے بعد اس کو مطلقاً فجر سے تعبیر کر کے اس کا مقام و درجات ۱۸ متعین فرمادئے۔

فائدہ:

البیرونی کی عبارت ”فلذالك ظهر لهم هذا و خفى ذالك“ کو سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا (کتاب التصریح کی) عبارت سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اس میں صاف طور پر اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ جس صبح میں لوگ مصالح دنیویہ کی خاطر دن کے اجھالے کا انتظار کر کے بیٹھے ہوتے ہیں وہی صبح کاذب ہے، جس کو ”بخلاف اول

الـصبـح فانه وقت استكمال الراحة...الخ سے ذکر فرمایا۔اور جو بیاض لوگوں کی نظروں سے بوجہ اختتام مشاغل و وقت نوم او جھل رہتا ہے تو اس کو بیاض **مستطیل** بتلایا جسے و آخر غروب الشمس وهو البياض المستدق المستطيل الذى قلما يدرك...الخ" سے بیان کیا۔اور پھر ان دونوں کے بارے میں لکھا: "**یکون ثمانية عشر جزء**" ۱۸ درجے پر واقع ہوتے ہیں۔لہٰذا اب تو یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ لوگوں کے آرام کے وقت جس شفق کی روشنی کا ادراک ان کو بوجہ نوم کم ہوتا ہے اس سے مراد "بیاض مستطیل" ہے (البیرونی کی عبارت میں **و خفی ذالک** یہ ہے) اور جس صبح میں لوگ انتظار کرتے ہیں اور بوجہ بیداری کے لوگوں کو عموماً نظر آتا ہے وہ بیاض مستطیل کاذب ہے (البیرونی کی عبارت فلذالك ظهر لهم هذا یہ ہے)۔

استشہاد نمبر۲:

یہی وجہ ہے کہ شرح چغمینی کے محشی علیہ الرحمۃ نے البیرونیؒ کی عبارت میں منقول "مطلق صبح" سے مراد صبح کاذب ہی لیا ہے۔تحریر فرماتے ہیں:

> ثمانية عشر جزءً هذا هو المشهور ووقع فى بعض كتب ابى ريحان انه سبعة عشرجزء وقيل انه تسعة عشر جز وهذا فى ابتداء الصبح الكاذب۔..............
>
> ....(حاشیہ ۹ شرح چغمینی ص۱۲۲،)

ترجمہ : ۱۸ درجے والی بات مشہور ہے،اگرچہ ابی ریحان کی بعض کتب میں یہ مقدار ۱۷ بھی منقول ہے اور کسی نے تو ۱۹ درجے

والے قول بھی لیا ہے۔اور یہ ساری اختلافی بحث صبح کاذب سے متعلق ہے۔

اس سے یہ حقیقت بالکل بے غبار ہوگئی کہ ابوریحان البیرونیؒ کی کتاب میں اگر کہیں ۱۸یا۱۷درجات پر صبح کی بات لکھی ہے تو اس سے مراد صبح کاذب ہی ہے۔چنانچہ ماہرین فن ہی کی شہادتوں کے بعد البیرونی کی عبارت " فلذالك ظهر لهم هذا و خفى ذالك "اور اس پر ''سورج کے ۱۸ درجے زیر افق کے حکم'' کا کوئی دوسرا مطلب ''ماسوائے صبح کاذب کے'' کم ازکم ہم نہیں لے سکتے۔

(۵) محقق طوسی کا حوالہ:

کتاب مذکور میں نمبر(۷)اور(۸) حوالوں میں محقق طوسی کے حوالے نقل فرمائے گئے ہیں۔حوالہ جات نقل کرنے کے بعد ''مطلق فجر'' والے ایک جدید قاعدے کو بنیاد بنا کر اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی صبح صادق ۱۸درجے پر طلوع ہوتی ہے۔محقق طوسی کے حوالوں پر تبصرہ ان شاءاللہ آگے آئے گا،مگر اس سے پہلے مصنف صاحب کا وہ قاعدہ اجمالی طور پر سنئے۔خلاصہ اس قاعدے کا یہ ہے کہ جہاں مطلق فجر یا اس کے حوالے سے کسی حکم وغیرہ کا تذکرہ کتب فقہ یا کتب فن ہیئت وغیرہ میں مل جائے تو فوراً اس سے صبح صادق مراد لیا جائے گا۔حالانکہ اس قاعدے کا ثبوت خود محتاج دلیل ہے چہ جائیکہ یہ کسی حکم کے اثبات کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکے ۔اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے ابتدائی صفحات میں بعنوان ﴿فجر دراصل ''صادق'' ہی ہوتی ہے﴾ کے تحت اس کی تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائیں ۔ جب آپ مسئلے کی حقیقت کو سمجھ

پائیں اب آیئے زیر بحث حوالے کی طرف، محترم مصنف تحریر فرماتے ہیں:

''محقق طوسی کی مذکورہ عبارت میں شروع باب سے آخر مسئلے تک صبح اور شفق کی انواع کے بغیر طلوع صبح اور شفق کے صاف الفاظ موجود ہیں۔جن کا ۱۸ درجے پر ہونا مذکور ہے، اور طلوع صبح کے اطلاق سے طلوع صبح صادق ہی مراد ہوا کرتا ہے، نہ کہ کاذب اور شفق کے اطلاق سے بھی احمر یا ابیض ہی مراد ہوا کرتا ہے۔۔۔اس لئے طلوع صبح وشفق کو بیاض مستطیل یا احمر پر محمول کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا''.

.... (کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۴۸)

مطلق فجر جیسے جدید قاعدے کے استدلال کے بارے میں نہایت مختصر سطور بالا میں جب کہ تفصیلاً صفحہ نمبر ۸، میں گزر چکا۔البتہ یہاں چند حقائق عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

محشی کے نزدیک فجر وشفق کے باب کی اہمیت:

محقق طوسی کی کتاب بیست وباب کی زیر بحث عبارت کے اوپر بالکل پہلے حاشئے پر مولانا محمد عبید اللہ الایوبی القندہاری لکھتے ہیں:

'' مخفی نباشد کہ توضیح ایں باب موقوف است بر معرفت جسم مخروطی (الٰی ان قال) ایں بود تمہید برائے فہم مقاصد این باب''....

....(۲) بیست وباب ص ۱۶ حاشیہ نمبر ۲)

اس حاشئے میں فجر وشفق کی تفصیل اسی طرح ذکر کی گئی ہے، جیسا کہ ہم نے صفحہ نمبر ۱۰۵ پر علامہ ہیثمیؒ کی عبارت کے تحت ذکر کی ہے۔حاشئے کا مقصد یہ ہے کہ اس باب اوقات

(فجر وشفق) کو صحیح سمجھنے کے لئے کم از کم ظل مخروطی اور اس کے متعلقہ فنی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے۔ آگے متصل دوسرے حاشئے پر لکھتے ہیں:

اعلم ان هٰذا الباب من ابواب هٰذا الكتاب مما يحتاج اليه فى الشريعة المطهرة لمعرفة وقت صلوٰة الصبح ابتدائها و انتهائها ولمعرفة ابتداء وقت الصوم و لانتهاء وقت صلوٰة المغرب و لابتداء وقت صلوٰة للعشاء فينبغى ان يهتم بهٰذاالباب جداً۔............... (بیست وباب ص۱۶ حاشیہ نمبر۳)

ترجمہ: خبردار یہ باب کتاب کے ان ابواب میں سے ہے جسے شریعت مطہرہ میں ضرورت پڑتی رہتی ہے مثلاً صبح صادق کی ابتداء اور انتہاء کی معرفت اور اسی طرح اختتام سحری کی پہچان اور نماز مغرب کا آخر وقت نماز عشاء کی ابتداء۔ پس ضروری ہے کہ اس باب (کے سمجھنے) میں بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔

ان عبارات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ پر کچھ تحریر لکھنا کوئی شرعی ذمہ داری کا تقاضا نہیں کرتا؟ کہ محشی خود پڑھنے والوں کو اوقات نماز کے حوالے سے احتیاط و حزم کی تاکید کر رہے ہیں اور خود اہل علم و ماہر فن ہونے کے باوجود متن کے صبح صادق سے کاذب بنا ڈالا؟

سوچ و فہم کس کا معتبر؟

اب آتے ہیں کہ محشی علیہ الرحمۃ کیا کہتے ہیں: حاشیہ نمبر ۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

(ا): انہ قد علم بالتجربةان اول الصبح الکاذب انما یکون اذا کان انحطاط الشمس من الافق الشرقی ثمانیة عشر جزء ـــالیٰ ان قال ـــواذا عرفت ھٰذا فاتضح لك ما قال المصنفؒ وقس علیٰ ذالك حال الشفق لانہ قد علم بالتجربة ایضاً ان آخر الشفق انما یکون اذا کان انحطاط الشمس من الافق الغربی ثمانیة عشر جزءـ.....

...........................**(بیست وباب ص١٦حاشیہ)**

ترجمہ: تجربہ سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ جب سورج ١٨ درجے زیر افق چلا جاتا ہے تو اس وقت صبح کاذب طلوع ہوتی ہے...الیٰ ان قال...اور جب آپ یہ حقیقت سمجھ گئے تو اب مصنف (محقق طوسی) کی بات تجھے واضح ہونا چاہیئے۔اوراسی فجر پر شفق کی حالت بھی قیاس کیجئے ،کیونکہ یہ حقیقت بھی تجربات سے کھل کر سامنے آچکی ہے کہ آخر (مستطیل) شفق کے درجات بھی ١٨ درجے ہیں۔

(٢) اقول قد علمت من بیان المصنف فی ھٰذا الباب ان المقدار الفاصل بین طلوع الصبح الکاذب وطلوع الشمس ١٨ درجة ـــالیٰ ان قال ـــواما الصبح الصادق فیکون بعید ذالك ،، فالعجب من بعض الطلباء

بـل بعض العلماء انهم يؤذنون للصبح قبل طلو ع الشمس ساعةٍ و نصف ساعةٍ بل ساعتين مع ان الفقهاء قالوا ان اذن الـمؤذن قبل الوقت يجب اعادته فاعلم بذالك ۱۲ ......
.... (بست باب محقق طوسی، ص:۱۶ حاشیہ ۳)

ترجمہ :اس (فجر و شفق کے) باب میں مصنف (محقق طوسی) کی بات جو میں سمجھا ہوں، وہ یہ ہے کہ صبح کاذب اور طلوع الشمس کے درمیان وقفہ کی مقدار ۱۸ درجے ہیں ۔۔۔ جب کہ صبح صادق اس (۱۸ درجے) کے بعد طلوع ہوتی ہے۔لہٰذا بعض طلباء بلکہ بعض علماء پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ صبح کی اذان طلوع الشمس سے ڈیڑھ گھنٹے بلکہ دو گھنٹے پہلے دینا شروع کر دیتے ہیں ۔حالانکہ فقہاء کرام نے یہ بات واضح کر کے لکھی ہے کہ قبل الوقت اذان کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

(۳)....بست باب کی اور شرح میں علامہ عبدالباقی الکتوازی تحریر فرماتے ہیں:

اذا صارت الشمس قريبة من الافق بقدر ثمانية عشر جزءاً (الىٰ)يرى البياض الطويل فى جانب المشرق وهو يسمى بالصبح الكاذب كان كون الافق بعده مظلماً يكذب كونه نور الشس والمنتشر فى الافق بعده بزمان يسمى بالصبح الصادق لكونه اصدق ظهوراً من الاول قيل ابتداء

ہ حین انحطاط الشمس خمسة عشر جزءاً (تحفۃ اولی الالباب شرح بست باب للعلامہ عبدالباقی الکتوزی، بحوالہ احسن الفتاویٰ، ج ۲، ص ۱۶۵)

ترجمہ:

جب سورج افق کے ۱۸ درجے قریب آجاتا ہے۔۔۔۔تو افق شرقی میں ایک طویل بیاض ظاہر ہوجاتا ہے، اور یہی صبح کاذب ہے ۔اس کے بعد افق پر اندھیرا آکر اس بات کی تکذیب کردیتا ہے کہ یہ سورج کی روشنی ہے۔ پھر اس کے تھوڑی دیر بعد افق میں بیاض منتشر ظاہر ہونا شروع ہوجاتا ہے اس حال میں کہ یہ پہلے کی بنسبت ظہور میں زیادہ صادق ہوتا ہے ۔کہا گیا ہے کہ اس کی ابتداء ۱۵ درجے پر ہوتی ہے۔

آپ نے اس سے پہلے محترم مصنف کی طرف سے ''مطلق'' فجر جیسے جدید قاعدے کی بنیاد پر محقق طوسی کا مسئلہِ فجر وشفق کو صبح صادق پر حمل کرنا بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔اور اب مذکورۃ الصدر عبارات میں محشی علیہ الرحمت کی طرف سے اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے نہایت احتیاط وحزم کو مدنظر رکھ کر محقق طوسی کی عبارت کی توضیح وتشریح بھی ملاحظہ فرمایا۔ اب کس کی بات زیادہ وزن دار ہوسکتی ہے؟ مصنف صاحب کی جن کے پاس ماسوائے ''مطلق فجر'' جیسے قاعدے کے اور کوئی شئے نہیں، یا ان محققین بزرگوں کی جنہوں نے اس کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرکے اس فن میں مقتداء بن گئے تھے؟؟ جواب ظاہر ہے کہ متقدمین علماء دین وماہرین فن کی سوچ وسمجھ آج کے علماء کی بنسبت کافی بلند ہے جب کہ آج کی اکثریت، فن کے ذوق رکھنے والے مغرب کے اہل فن کے تجربات

اور اقوال کے محض ناقل ہیں۔لہٰذا مذکورہ بالا شواہد وحقائق کو مدنظر رکھ کر ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ محقق طوسی کے نزدیک ۱۸درجے پر ظاہر ہونے والی فجر ''اول فجر'' کی حیثیت سے صبح کاذب ہی ہے۔

(۶) شرح چغمینی کا حوالہ:

شرح الچغمینی میں صفحہ نمبر۱۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

" وقد عرف بالتجربة ان اول الصبح وآخر الشفق انما یکون اذاکان انحطاط الشمس ثمانیة عشر جزء .ففی بلد یکون عرضه اقل من تمام المیل بثمانیة عشر جزءاً یتصل الشفق بالصبح الکاذب اذا کانت الشمس فی المنقلب الصیفی ....(شرح چغمینی ص۱۲۲،مکتبہ اسلامیہ،کوئٹہ)

ترجمہ: اورتحقیقاً تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اول صبح اورآخر شفق اس وقت ہوتے ہیں جب آفتاب ۱۸درجے افق سے نیچے ہو۔پس جس شہر کا عرض بلد تمام المیل سے ۱۸درجے کم ہوگا (جوکہ ۴۸عرض البلد بنتا ہے) وہاں انقلاب صیفی (۲۲ جون) کے وقت شفق صبح کاذب سے مل جائے گی۔

اتنی صریح عبارت نقل کرنے کے باوجود محترم مصنف مندرجہ ذیل بیان تحریر فرماتے ہیں:

''اس عبارت میں اول صبح صادق کی ابتداء اورآخر شفق ابیض کی انتہاء مراد ہے''

مصنف کا استدلال:

آگے شرح چغمینی کی عبارت **ومن جملة تلك الاشياء المنفردة الكلام فی معرفة الليل و النهار... الخ** سے استشہاد کر کے لکھا ہے کہ:

> ''شارح چغمینی نہار ولیل اور فجر وعشاء کا وقت بتانا چاہتے ہیں، اور شریعت کی نظر بلکہ فلکی قانون میں بھی نہار کا آغاز صبح صادق سے ہوتا ہے، نہ کہ کاذب سے'' ....کتاب زیر تبصرہ، صفحہ نمبر ۱۵۱

ہماری گزارش یہ ہے کہ مصنف اصل عبارت کو سمجھے ہی نہیں ہے کہ عبارت تو آخر سے صرف وہی کاٹ دی جس سے دن کی پہلی روشنی کی بنیاد پر صبح صادق پر استدلال درست ہو سکے، چاہے سیاق وسباق میں کچھ بھی ہو رہا ہو لیکن ظاہری الفاظ ایسے ضرور ہوں جن کی مدد سے اپنے خاص استدلال کے زرئعے صبح صادق نکالا جا سکے۔ بس پوری عبارت کا تو حصہ آخری کاٹا، مگر اس کا رشتہ بہت دور جا کر لیل ونہار کی بالکل ابتدائی بحث سے ملایا ،جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ الٹا اس طرز عمل سے محترم مصنف کو دھوکہ ہو گیا ہے کیونکہ بحث کی بالکل ابتداء میں مصنف چغمینی نے تو اس پوری بحث کا تعارف کرانا ہے جس کے لئے یہ فصل بنائی گئی ہے۔ چونکہ یہ بحث لیل ونہار کی معرفت کے لئے وضع کی گئی تھی، تو لامحالہ مصنفؒ نے یہی لکھنا ہے کہ: ومن جملة تلك الاشياء المنفردة الكلام فی معرفة الليل و النهار مگر یہ اصول کہاں سے دریافت ہوا کہ کسی موضوع پر تفصیلی عبارت میں ہر لفظ اور ہر جملے سے وہی عنوان ہی مستفاد ہوگا اور وہی مراد لیا جائے گا؟ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے والا کسی عنوان کے تحت ان تمام امور کو زیر بحث لاتا

ہے جو موضوع کے ساتھ نفیاً یا اثباتاً متعلق ہوں، کسی کی نفی کریگا کسی کا اثبات کرے گا کوئی فرضی طور پر ثابت کریگا، کسی کا مستقل اثبات پیش نظر ہوگا، مگر اصل اور فیصلہ کن بات وہ ہوگی جسے مصنف خود عنوان کے مطابق قرار دے یا عبارت سے منطقی استدلال کے نتیجے میں واضح طور پر مستفاد ہورہا ہو۔ یہاں مصنف صاحب نے شرح چغمینی کی عبارت کا عنوان نقل کرکے اس سے بغیر کسی تشریح کے صبح صادق ہی مراد لے کر بہت جلدی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ حالانکہ شرح چغمینی کی عبارت کو صحیح سمجھنے کے لئے اصل بحث سورج کے تحت الارض بجانب افق شرقی حرکت اور اس کے نتیجے میں ظل مخروطی کی بجانب غربی حرکت سے شروع کرنا چاہیئے تھا، جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

فان كانت الشمس تحت الارض قريبة من الافق كان مخروط الظل مائلاً عن سمت الرأس الىٰ مقابلة الشمس وسطحه الذى فى جهتها مائل الينا وكان الهواء المستضىء بضياء الشمس لكثافته الحاصلة بسبب المجاورة للارض والماء يعنى الهواء المستضىء من كرة البخار فان الهواء الذى فوقها لاتقبل الاستضاء للطافته قريباً منا فيظهر فى الافق بل فوقه النور فالبياض المستطيل المستدق الظاهر فوق الارض اولاً يسمى بالصبح الكاذب كان لون الافق بعده مظلماً يكذب كونه نور الشمس والمستطير المنبسط فى الافق بعده بزمان يسمى بالصبح

الـصادق لكو نه اصدق ظهوراً من الاول قـال عليه الصلوٰة والسـلام لا يـغـر نـكم المستطيل فكلوا و اشربوا حتى يطلع الـفـجر المستطير ،" وقد عرف بالتجر بة ان اول الصبح وآخـر الشـفـق انما يكون اذاكان انحطاط الشمس ثمانية عشـر جـزء .فـفـى بـلـد يـكـون عرضه اقل من تمام الميل بثـمـانية عشـر جـزءاً يتصل الشفق بـالـصبـح الكاذب اذا كانت الشمس فى المنقلب الصيفى...(شرح چغمینی ص۱۲۲، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ)

ترجمہ: اگرسورج تحت الارض افق شرقی کے قریب ہوتو اس کے مقابل میں ظل مخروطی سورج کے مقابلے میں سمت الرأس سے مائل بسمت غرب ہوگا، جبکہ بسمت شمس اس کی سطح ہماری طرف ہوگی۔ (زمین کے اردگرد ایک ہوائی کرہ ہوتا ہے جس میں کسی حد تک نمی بھی پائی جاتی ہے، اوریہی کرۃ البخار کہا جاتا ہے، علاوہ ازیں جو حصہ سطح زمین کے جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی وہ حصہ) قربت زمین اور نمی کی وجہ سے کثیف ہوتا ہے، چنانچہ یہ حصہ سورج کی روشنی کا اثر قبول کرکے روشن ہوتا ہے اور جو حصہ اس کے اوپر ہوتا ہے وہ سورج کی روشنی کا اثر قبول نہ کرنے کی وجہ سے غیر روشن رہتا ہے۔پس افق بلکہ اس کے اوپر ایک روشنی ظاہر ہو جاتی ہے پس زمین کے اوپر

جو بیاض مستطیل اول ظاہر ہوتا ہے وہی صبح کاذب کہلاتا ہے۔اس کے بعد افق پر اندھیرا آجاتا ہے گویا کہ اس اندھیرے نے سورج کی روشنی کی تکذیب کردی۔اس کے بعد (فوراً) افق پر بیاض مستطیر ظاہر ہونا شروع ہوجاتا ہے، جوکہ اول صبح کی بنسبت اپنے ظہور میں زیادہ صادق ہوتا ہے اور اسے صبح صادق کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تم لوگوں کو بیاض مستطیل دھوکے میں نہ ڈالے، پس کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ بیاض مستطیر طلوع ہو جائے۔اور تحقیقاً تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اول صبح اور آخر شفق اس وقت ہوتے ہیں جب آفتاب ۱۸ درجے افق سے نیچے ہو۔پس جس شہر کا عرض بلد تمام المیل سے ۱۸ درجے کم ہوگا (جوکہ ۴۸ عرض البلد بنتا ہے) وہاں انقلاب صیفی (۲۲ جون) کے وقت شفق صبح کاذب سے مل جائے گی۔

محترم قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آخری عبارت مصنف نے نقل کر کے تحریر فرمایا ہے کہ :''اس عبارت میں اول صبح صادق کی ابتداء اور آخر شفق ابیض کی انتہاء مراد ہے'' حالانکہ عربی عبارت اور ترجمے میں خط کشیدہ الفاظ کو مدنظر رکھ کر ایک معمولی عربی دان آدمی بھی نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ شروع بحث سے ظل مخروطی کے نتیجے میں ''اول بیاض'' کے وجود کا ذکر کیا گیا پھر اسی کو صبح کاذب قرار دے دیا۔اس کے بعد صبح صادق کو صبح کاذب کے ساتھ موازنہ کے طور پر پیش کیا گیا،اس میں صبح کاذب کو ''اول صبح'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ان دونوں کے تذکرے کے بعد صبح کاذب کے درجات بیان کئے،مگر صبح کاذب کی تعبیر وہی بحال رکھی یعنی ''اول صبح'' فرمایا

’’وقد عرف بالتجربة ان اول الصبح.. الخ‘‘ اب فرمائیے کہ اس پوری عبارت کو پڑھ کر اس بات میں کیا اشکال باقی رہتا ہے کہ ’’اول صبح ‘‘سے مراد صبح کاذب نہیں ہے؟ پھر اتنی صراحت کے ساتھ متن کتاب میں موجود ہونے کے باوجود کیوں ’’اول صبح ‘‘کو صبح کاذب کی بجائے صبح صادق قرار دیا جارہا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ شرح چغمینی کے محشی علیہ الرحمۃ نے یہی بات تحریر فرمائی ہے جو اس ناچیز نے ابھی بتادی۔ ملاحظہ ہو:

ثمانية عشر جزءً هذا هو المشهور ووقع فی بعض کتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزء وقیل انه تسعة عشر جز. وهذا فی ابتداء الصبح الکاذب.(حاشیہ ۹ شرح چغمینی ص۱۲۲)

ترجمہ : ۱۸ درجے والی بات مشہور ہے، اگر چہ ابی ریحان کی بعض کتب میں یہ مقدار ۱۷ بھی منقول ہے اور کسی نے تو ۱۹ درجے والے قول بھی لیا ہے۔ اور یہ صبح کاذب کی ابتداء سے متعلق ہے۔

کیا اب بھی اس بات کے ابطال میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے کہ شرح چغمینی میں اول صبح سے مراد صبح صادق ہے؟ محشی علیہ الرحمۃ نے کچھ اختلاف کا ذکر کر کے ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی کو صبح کاذب، مشہور قول قرار دے دیا۔

(۷) علامہ یوسف قرضاوی کا حوالہ:...............صفحہ نمبر ۱۵۲

(۸) ڈاکٹر کمال الدین کا حوالہ :...................صفحہ نمبر ۱۵۲

(۹) مجموع الفتاویٰ الشرعیہ کا حوالہ :...............صفحہ نمبر ۱۵۳

(۱۰) رابطہ عالم اسلامی کی مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا حوالہ:....صفحہ نمبر ۱۵۴

ان سب حوالوں کے بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ فیصلے بذات خود محتاج دلیل ہیں۔ ان سے استدلال کسی طرح بھی درست نہیں جب تک ان میں سے کسی نے بروجی روشنی ،فلکی فلق وغیرہ کا دلائل اور ذاتی مشاہدات کی روشنی میں ازسرنو جائزہ نہ لیا ہو۔محض دور جدید کے ماہرین کے اقوال، جنہوں نے سارا خزانہ علم فلکیات ہی اہل مغرب سے حاصل کیا ہوا ہے، کے اوپر کسی فیصلے کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔اگر مذکورہ بالا حوالجات کی پشت پر ماہرین فن کے محض اقوال کے علاوہ کچھ تحقیق وتنقید کا سہارا موجود ہے تو سامنے لایا جائے ورنہ محض یہ حوالے مصنف کے حق میں چنداں مفید نہیں۔

غرر کہاں واقع ہو گیا؟

یہ ایک اضافی بحث ہے جو سلسلہ کلام کی مناسبت سے اب لکھنے لگا ہوں۔حدیث میں بیاض مستطیل کی وجہ سے غرر سے بچنے پر تنبیہ فرمائی گئی۔بات دراصل یہ ہے کہ ہم اہل فن اور اہل مذہب کا وظیفہ نہیں سمجھ سکیں۔ہم نے دونوں کو خلط ملط کر دیا بلکہ سائنس سے مرغوب ہو کر اتنے افراط کے مرتکب ہو گئے کہ ہم نے اہل فن کی باتوں پر کلام کرنے کی بجائے اسی کو اصل الاصول قرار دے کر شرعی اصولوں میں تاویل وتوجیہ کا ارتکاب کیا۔ذیل میں اس حوالے سے مختصر واضاحت ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......جاننا چاہیئے کہ اہل فن ہیئت قطع نظر اس کے کہ کائنات میں مختلف سیاروں اور ستاروں اور مختلف نظام ہائے شمسی اور دیگر روزانہ تغیرات وتبدیلیوں کے بارے میں کوئی

مذہب کیا عقائد رکھتا ہے، سائنس کے محقق نے قطع نظر کسی مذہبی حکم کے محض مادی حقائق کا کھوج لگانا ہوتا ہے، مشاہدات پر مبنی جو حقائق اس کے سامنے آتے ہیں ان کو سائنس وفن کے زبان میں محفوظ کرتے ہوئے لوگوں کو منتقل کر دیتا ہے۔ پھر خصوصاً آج کے یورپی سائنسدان تو کسی مذہب کے قائل ہی نہیں اس نے تو محض واقع کی حیثیت سے اپنے تجربات کو پیش کرنا ہے۔

اب اگر کوئی سائنسدان رات کے اختتام پر ظاہر ہونے والی روشنی کو پہلی روشنی (First light of the day) کہتا ہے تو کہتا رہے، ہمیں اس کے ساتھ اختلاف کا کوئی حق نہیں۔ مگر ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ سائنسدان کے میدان کار کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے اقوال و پیشن گوئیوں کو وہی درجہ دینا چاہیئے جس کا وہ خود قائل ہے۔ مگر ہم مسلمانوں نے ان کی ان باتوں کو بھی قبولیت سے نوازا جو انہوں نے براہ راست ہمارے دین کے نام پر شائع کی۔

ہم مسلمان خاص کر اہل علم حضرات صبح صادق و کاذب کے حوالے سے کتب فقہ میں اتنی کچھ تفصیلات پڑھنے کے باوجود اس کی شرعی حقیقت کے ادراک میں سرگرداں ہیں پھر ایک کافر سائنس دان جبکہ وہ مذہب اسلام اور اس کے اندر حقائق وعقائد کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جس طرح ہم اس کی دہریت کو دیکھتے ہیں، لہٰذا اس پس منظر میں ایک دہریہ سائنس داں کے قلم وزبان سے ایسی خالص شرعی حقیقت کا صاف ستھری اور بے غبار وضاحت کا تصور کیسے کیا سکتا ہے؟

(۲)......اس کے برعکس اہل مذاہب نے سب سے پہلے فوکس اپنی آسمانی کتاب پر

رکھنا ہوتا ہے۔کسی بھی فعل وقول اور نظریات وعقائد کا ثبوت اگر اس کی الہامی کتاب میں موجود ہے تو اس کے بارے میں تفصیلات انہوں نے اپنی کتاب سے لینا ہے۔وہ اس کو کسی سائنس دان کی تحقیق پر موقوف ہرگز نہیں سمجھیں گے۔بھلا وہ کیسے اس بات کا قائل ہو جب کہ ان سے پہلے ان کے ہزاروں پیش رو اسی کو خالص مذہبی اصولوں پر حل کرتے رہے ہیں۔

(۳)....اب اگر ایک سائنس دان یا کسی ماہر فن کا تعلق اہل مذہب کے ساتھ بھی ہے،تو وہ اس بات کی کوشش ضرور کرے گا کہ فنی طور پر اس فنی حقیقت کی وضاحت کرے۔علاوہ ازیں اگر اس فنی حقیقت کے ساتھ کچھ مذہبی امور بھی متعلق ہیں اور وہ اسی فنی حقیقت کو بحیثیت مذہبی امر پیش کرتا ہے،تو اس کی وہی تشریح وتوضیح سب سے زیادہ قابل قبول ہوگی جس میں وہ ایک مذہبی عالم کی حیثیت سے محو گفتگو ہے۔اگر وہ اس بحث کو اہل فن سے معمولی فرق کے ساتھ بھی بیان کرتا جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ فن اور مذہب کی تشریحات میں حد فاصل سے خوب واقف ہے اور وہ یہاں اپنی سائنسی اور مذہبی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے صحیح طریقے سے نبھا رہا ہے۔

(۴).......مذکورہ بالا وظائف کو مد نظر نہ رکھتے ہوئے بعد میں اس فن کے محض ذوق رکھنے والوں نے نہ کوئی علمی تحقیق گوارا فرمائی اور نہ صبح کاذب کے حوالے سے احادیث میں واردشدہ تنبیہ پر توجہ دینے کی کوشش کی،بلکہ ذہن میں فن کے جذبے نے ہر اس قول کو قبول کرنے پر آمادہ کیا جو دور جدید کے سائنس دانوں کے رصد گاہوں سے شایع ہوتا رہا،اور یوں یہ سلسلہ چلتے چلتے اب یہاں تک معاملہ پہنچ گیا کہ اس موضوع پر تحقیق

کرتے ہوئے ازسرنو تحقیقی اور تنقیدی جائزے کو ہی ناجائز قرار دیا جا رہا ہے۔

قصور کس کا ہے؟

اس میں ماہرین فن کا کوئی قصور نہیں۔قصور تو ہم لوگوں کا ہے کہ ہم نے یہ نہ سوچا کہ احادیث مبارکہ میں صبح کاذب سے دھوکہ سے بچنے کی اتنی زیادہ تنبیہ کیوں فرمائی گئی ہے ؟ نہ ہم نے یہ سوچا کہ زوڈیکل لائٹ کو اگر صبح کاذب قرار دی جائے تو اس سے دھوکے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ بروجی روشنی کو مدنظر رکھ کر کیا رسول اللہ ﷺ کو اتنی فکر دامن گیر ہو سکتی تھی، جتنی احادیث میں وارد ہوئی ہے؟ صبح کاذب کے دھوکے سے بچنے کی اتنی زیادہ تنبیہ کی صورت تو تب ممکن ہے کہ یہ صبح صادق کے ساتھ ایسا اتصال رکھتی ہوئی دونوں ایک ہی کسی مجموعے کے دو حصے ہوں، تب کسی پر ان دونوں کے حدود میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ اشتباہ وارد ہو کہ وہ کاذب کو صادق کہہ بیٹھے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ان دونوں کی بات فقہاء وغیرہ نے کی ہے تو" الفجر فجران " کے بغیر بہت ہی کم کی ہے۔ہم نے یہ بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ جب دور جدید کے سائنس دانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اسٹرونومیکل ٹویلائٹ یعنی سورج کے ۱۸ درجے سے نیچے کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں ہو سکتی بلکہ آسمان پر مکمل اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے اور یہی وہ پہلی روشنی ہوتی ہے جسے سورج کی طرف سے ہمیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہے، تو ہم نے " الفجر فجران " اور" لا یغرنکم البیاض العارض الخ.... والمستطیل الخ"، وغیرہ شرعی حقائق کو مدنظر رکھ کر یہ کبھی نہیں سوچا کہ کاذب وصادق کے متمایز مگر مشتبہ

خطوط کا ۱۸ درجے سے پہلے مکمل اندھیرے میں کیسے ممکن ہیں تاکہ اس باریک اور سبب اشتباہ لمحے کو اہل فن کی جانب سے دن کی پہلی روشنی کے ظہور کے بعد ہی تلاش کرنے کوشش کریں؟ حق کی تلاش کے لئے کوشش کرنا نتیجۃً بے محل بھی ثابت ہو جائے تو کوشش اور تحقیق من حیث ھی قابل ستائش ہی کے زمرے میں آتے ہیں، مگر ہم دور جدید کے سائنسدانوں کے کھینچے ہوئے خطوط کو ایک ملی میٹر بھی کراس کرنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ اہل فن کی طرف سے دن کی ابتدائی روشنی قرار دینے کے لمحے کے بعد کوشش سے بھی کوئی گناہ تو نہیں نا، کوشش ایک دفعہ تو کیا جائے، اور اکیلے نہیں بلکہ متقدمین ماہرین فن وعلوم شرعیہ سے راہنمائی لے کر تحقیق کا سفر شروع کریں۔ جبکہ متقدمین اہل فن علماء کرام نے ''دن کی پہلی روشنی'' کے ظہور کے بعد باقاعدہ تجربات بھی کئے ہوں۔

اور یہ بھی بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب یہ روشنی باجماع ماہرین سورج کی طرف سے سب سے اولین اثر ہے تو اس میں سرخی کی آمیزش کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا، بالفاظ دیگر جب ہم یہ حقیقت تسلیم کر چکے کہ صبح صادق کی روشنی میں سرخی کی قلیل ترین آمیزش ہونا ضروری ہے، تو اس سے اس بات کی سمجھ آسان ہو جاتی ہے کہ صبح صادق ''اخیر رات کی پہلی اور اولین روشنی'' کا وہ حصہ ہو گی جو کچھ دیر بعد ہی کہیں نظر آ سکے گی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود ہم انگریزوں کے **False Dawn** اور **True Dawn** اور **First Light of the Day** کے الفاظ سے اتنے متاثر ہو گئے کہ اس کے جواز کے لئے کیا کچھ نہیں کر بیٹھے؟ یہی وہ خطرے کا مرحلہ تھا جسے فراست نبوی نے محسوس فرمایا تھا۔ وہ یہی خطرہ تھا جس سے خوف دلا کر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دھوکہ کھانے سے

خبردار فرمایا۔مگر کاش کہ ہم اسی دھوکے سے بچنے میں مکمل طور پر ناکام ہوکر اخیر رات میں پہلی روشنی کو صبح صادق کہتے ہوئے کاذب کا غیر شعوری طور پر انکار کر بیٹھے، ہمارے قابل احترام مصنف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ صادق کے معنیٰ سچے اور کاذب کے معنیٰ جھوٹے کے آتے ہیں، اور شریعت کی نظر میں اور امر واقع میں سچی، اصل اور حقیقی صبح وفجر جو نہار کا حصہ ومبدء ہے وہ ایک ہے، دو نہیں۔اور اسی لئے وہ صادق وسچی ہے، اور کاذب شریعت کی نظر اور امرِ واقع میں کسی بھی جہت سے صبح نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقی وصادق اور کامل طریقہ پر لیل میں داخل ہے، البتہ کسی کو اس کے صبح ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، اور اس کے متعلق صبح ہونے کا غلط تصور قائم ہوسکتا ہے، اس لئے شریعت نے اس غلط فہمی اور غلط تصور کی اصلاح ودرستگی کے لئے اصل وحقیقی صبح وفجر کو صادق کی صفت کے ساتھ موصوف کرکے اس کی تصدیق کردی، اور اس کے مقابلہ میں غیر اصل وغیر حقیقی کو کاذب کی صفت کے ساتھ موصوف کرکے اس کے صبح وفجر ہونے کی تکذیب کردی ہے اور بس اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں''..................

....(کتاب زیرِ تبصرہ، ص۱۹)

مگر یہاں اتنی بھی زحمت گوارا فرما کر یہ نہیں سوچا گیا کہ جس انداز سے ابتداء کلام میں، حقیقی لیل، حقیقی صبح اور اصل صبح اور نہار کے مبدء جیسے الفاظ سے صبح کاذب کا

جو تصور بٹھا دیا گیا تو وہ سیدھے سادھے الفاظ میں یہی ہے کہ لوگوں کو اس سے بالکل بے فکر ہونا چاہیئے ۔ ورنہ شریعت کی طرف سے صرف صادق کے لفظ کے ہوتے ہوئے مصنف کو مذکورہ بالا قسم کے دس ناموں کو قطعاً ملانے کی ضرورت نہ پڑتی ۔اور جب اس انداز سے اس کی تشریح کی گئی تو آخر عبارت میں خانہ پوری کے طور پر غلط فہمی کے ازالے کے لئے یہ کہنے کی کوئی ضروت نہیں تھی ......''کہ اس کے صبح ہونے کی شریعت نے تکذیب کر دی اور بس، اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں'' ....کیونکہ اگر ایک طرف بے فکری کی اتنی راہ ہمواری کا کام کیا جارہا ہو، تو اس کے ہوتے ہوئے پھر یہ معمولی تنبیہ اپنا اثر کوئی نہیں دکھا سکتا۔

حالانکہ صبح کاذب کے تذکرے کی بہت بڑی حیثیت ہے اس اعتبار سے، کہ اگر اس سے نہ بچا گیا تو پوری امت کی اربوں کھربوں نماز وعبادات پر پانی پھر جائے گا، کیا یہ معمولی نقصان نظر آرہا ہے؟ اگر یہ واقعی مسلمانوں کا بہت بڑا خسارا ہے، تو صبح کاذب کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے جتنا یہ خسارا نظر آرہا ہے۔تبھی تو نبی کریم ﷺ نے اتنی کثرت سے اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔اور یہ دھوکہ تب ممکن ہے کہ اس کا وجود ظہور صادق کے ساتھ پہلو میں ہوکر دونوں کا مجموعہ ایک سمجھا جارہا ہو۔ علاوہ ازیں مصنف صاحب تو اتنے آگے بڑھے ہیں کہ اپنے ہی پیش رو کے کچھ اصولی باتوں سے بھی انحراف فرما گئے ۔مثلاً صبح صادق کی روشنی میں سرخی کی معمولی سی آمیزش سب کے نزدیک مسلم ہے مگر اس کا مکمل انکار اس لئے کیا گیا کہ یہ حضرات جس روشنی (یعنی فلکی فلق) کو صبح صادق قرار دے رہے ہیں وہ ان کے نزدیک خالص سفید ہے۔

اسی طرح اختلاف ازمنہ وامکنہ کی بنیاد پر تطبیق کا نام دے کر اقوال میں بہت زیادہ فرق نظرانداز کردیا گیا۔ علاوہ ازیں مطلق فجر اور اول صبح سب کو صبح صادق قرار دے کر صبح کاذب کی فکر ہی ختم کردی گئی۔ اسی طرح ان حوالجات کو بھی ۱۸ کی تائید میں پیش کردئے گئے جن میں واضح طور پر ''کاذب'' کی تصریح مذکور ہے حتیٰ کہ اس سے انکار آج تک قائلین ۱۸ درجے والوں میں سے کسی نے نہیں کیا بلکہ ان کی مختلف تاویلیں ضروری سمجھی گئیں، مگر جناب مصنف نے (کاذب کے مصرح) ان تمام حوالوں کو الٹا اپنے ہی دعوے کے اثبات میں نقل فرمادئے، مثلاً شرح چغمینی، محقق طوسی وغیرہ کی عبارات۔

اہم انکشاف:

ہم اس بات سے پہلے ہی سے الحمد للہ باخبر تھے، کہ قائلین ۱۸ درجے والوں کا اصل ماخذ اہل مغرب کے جدید علم کی تحقیقات ہیں۔ مگر ہمیں یہ پڑھ کر نہایت عجیب محسوس ہوا ، بلکہ اس پر خوشی بھی ہوئی کہ اس سے ہماری تائید ہوگئی، اور یہ بات ہمارے لئے واقعی ایک انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ محترم مصنف نے جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں یہ بات واضح طور سے لکھی ہوئی ہے
> کہ باوجود تمام کوشش وسعی ومشاہدات کے گیارویں صدی عیسوی
> سے لے کر آج تک کوئی اس بات میں ردوبدل نہ کرسکا کہ اس ہی
> ۱۸ درجات زیر افق کے لمحہ سے دن کی ابتداء ہوتی ہے'' ....
> ....(کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۶۱)

اسے پڑھ کر جب ہم نے پروفیسر صاحب کی کتاب کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے متصل پہلے ابوریحان البیرونی کا حوالہ درج ہے ۔گویا کہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کی بات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل مغرب کی تحقیق بھی وہی ہے جو البیرونیؒ نے گیارویں صدی عیسوی میں پیش کی ہے۔

بات بجا ہے مگر پچھلے صفحات میں البیرونیؒ کی تحقیق پر مفصل بحث ہو چکی ہے، کہ ان کے نزدیک ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے ہونے والی روشنی صبح صادق نہیں، بلکہ ''صبح کاذب'' ہی ہے ۔لہٰذا اب یہ عقدہ جدید ماہرین فن کی حوالے سے بھی الحمد للہ حل ہو گیا کہ اہل مغرب یا جدید ماہرین نے جہاں ۱۸ درجے پر صبح یا فجر کی تصریح کی ہے اس سے بھی صبح کاذب ہی مراد ہے ۔جس سے ہمارے اولین مسلمان مرتبین نے دھوکہ کھا کر اپنے نقشوں میں صبح صادق تحریر کر ڈالا اور اب تک چلا آ رہا ہے۔کاش یہ سلسلہ چلتے وقت اس حدیث ''لا یغرنکم البیاض المستطیل ...الخ '' کی حقیقت ذہن نشین ہوتی۔

واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

حصّہ سوم

صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت

اور

جمہور کا عمل؟

چند اکابر رحمہم اللہ کا اختلاف

........صفحہ نمبر ۱۶۸ تا صفحہ نمبر ۱۷۷ ......

ان صفحات میں محترم مصنف چند اکابر رحمہم اللہ کے اختلاف کا تذکرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

'' مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب وحضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہما اللہ ودیگر چند اکابر حضرات کو ایک مرتبہ صبح صادق سے متعلق رائج قدیمی جنتریوں کے متعلق (جو ۱۸ درجے کے مطابق تھیں) کچھ تردد وتذبذب پیدا ہوگیا تھا، مگر بعد میں تحقیق وتفتیش کے بعد ان حضرات کا یہ تردد وتذبذب ختم ہوگیا، لیکن حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کی آخر تک تحقیق یہ رہی کہ صبح صادق اور عشاء کا وقت پندرہ درجہ زیر افق ہوتا ہے۔ اس قضیہ کی پوری حقیقت معلوم نہ ہونے سے بعض حضرات مختلف شبہات میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس لئے اس تردد اور رجوع کی حقیقت پر خود ان حضرات اکابر کی تحریرات سے قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے..................................(صفحہ نمبر ۱۶۸)

اس کے بعد اکابر کی وہی عبارات نقل فرمائی ہیں جو کہ احسن الفتاویٰ میں تحریر ہیں۔ واقعی ان تحریرات میں رجوع کا اقرار اور پرانے نقشوں کی تصدیق موجود ہے۔

محترم مصنف مفتی محمد شفیعؒ کی عبارت کے بعد فائدہ کے تحت لکھتے ہیں کہ اکابر حضرات جب پاکستان میں آ گئے تو پرانے نقشوں کے طلوع وغروب جانچنے کے بعد باقی اوقات پر بھی اعتماد کر چکے۔ آگے لکھتے ہیں:

''اور درمیان میں بعض اہل علم حضرات کی طرف سے جدید وقدیم اہل فن کے کچھ اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا گیا کہ اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے جس کے بعد اس احتمال کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کاذب وصادق میں فرق نہ کیا ہو اور کاذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحبؒ کو صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً سحری کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز پندرہ بیس منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا۔ لیکن جب حضرتؒ نے بعض اہل فن حضرات کے ساتھ بحث وتمحیص کے اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق وتمحیص کے نتیجے میں آپ کا وہ تردد رفع ہو گیا اور محقق وطے ہو گیا کہ جدید ماہرین فلکیات نے خود صبح کاذ کو صادق سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اور وہ

درحقیقت رات کا حصہ ہے،اوراس کے بعد جوصبح صادق ہوتی ہے،

اس کوانہوں نے صبح کہا ہے‘‘ ....(ص ۱۷۰)

اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱)........اکابرحضرات ابتداء سے قدیمی نقشے کودرست سمجھتے تھے۔

(۲)........بعض اہل علم نے علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا، کہ اس قدیم جنتری میں جوصبح صادق کا وقت دیا گیا ہے ودرحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے۔

(۳).......یہی باورانہی قدیم جنتریوں کی صحت میں وجہ شک وتردد بنا۔

(۴).......پھراسی شک وتردد کی بناپر احتیاطاً ۱۵ درجے کے مطابق فتویٰ جاری کیا گیا۔

=== === === === === === ===

(۵)......جوکہ بعد میں ان بزرگوں نے ۱۸ درجے کی تحقیق کرکے اس تردد کوختم کردیا۔

(۶)......آخر بحث میں اس پرعلماء کرام کی تائیدی رائے اور دستخط نقل کیئے ہیں،اور بتایا کہ اس تحقیق کوجمہوراہل علم کی تائید حاصل ہوکر یہ ایک تواتر کا درجہ حاصل کرچکی ہے۔

(۷).......حضرت مفتی رشیداحمد صاحب کی تحقیق ۱۵ درجے رہی۔

اجمالی جائزہ:

اگرمذکورہ بالا نکات ہم نے درست نکالے ہیں تواس کا اجمالی جائزہ یہ ہے:

نمبر۱ مسلم ہے،مگر یہ مصنف کے حق میں مفیدنہیں۔

نمبر۲،۳ اور۴ خلاف واقعہ بلکہ کسی حدتک الزام بھی ہے۔

اورافسوس کہ نمبر۴ کے بعدنمبر۵ تک بہت ساری تحقیقی کارروائی کے تذکرے سے

اپنے قارئین کومحروم کردیا گیا ہے،جس کا اجمال مندرجہ ذیل ہے۔

۴الف: اس تردد کوختم کرنے کے لئے مشاہدات کا سلسلہ چلایا،تحقیقی مجالس منعقد کئے علماء کرام کے درمیان بحث وتمحیص کا سلسلہ چلا۔

۴ب: بالآخر نتیجۃً ایک اجتماعی اجلاس میں متفقہ طور پر پرانے نقشوں میں صبح کا وقت کاذب کا جبکہ ۱۵درجے کوصحیح صبح صادق قرار دے دیا۔

۴ج: اس کے بعد حضرات اکابر کی طرف سے عمومی طور پر پرانے نقشوں کے اوقات کو کاذب کے فتوے شایع ہوتے رہے۔

۴ح: اس ۱۵درجے والے نقشے سے پھر رجوع فرمایا۔

نمبر ۵ میں کلام ہے کہ اس مرحلے میں واقعی بزرگوں نے تحقیق کی تھی کہ نہیں؟

نمبر ۶ میں اکابر کی تحریرات اوراس کے ساتھ دیگر حضرات علماء کی تائید کی کیا حیثیت ہے؟

تفصیلی وضاحت:

ان صفحات میں محترم مصنف نے جتنی عبارات،علماء کرام کی نقل فرمائی ہیں سب نمبر ۵ کے بعد کی ہیں۔جب ۴الف،ب،ج،اورح کی حقیقت سامنے آئیگی تو نمبر ۵ اور اس کی تائید میں باقی سارے اقوال وغیرہ سب کے سب مرجوح قرار پائیں گے۔ ہمارے بیان میں ان شاء اللہ الرحمٰن مذکورہ بالا نکات سارے حل ہونگے،مگر ترتیب کالحاظ شائد نہ ہوسکے۔

پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟

واقعی یہ تعامل ظاہری طور پر ایک بہت بڑی دلیل محسوس ہوتا ہےاوراسی شبہ نے اس فقیرکوبھی ابتداء میں متاثر کیا تھا۔مگر جب ایک بات حقیقت ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے کسی نہ کسی طریقہ سے طالبانِ حق پر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے، ہاں یہ صورت (عوام کیلئے تونہیں البتہ) خواص کیلئے ایک آزمائش کا مرحلہ ضرور بن جاتی ہے۔ لھذا اہل علم حضرات کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ گزارش ہے، کہ محض سنی سنائی یا بلا تحقیق کسی بات پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو آزمائش میں ناکام نہ بنادیں۔ بلکہ اپنی علمی اور منصبی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی اصولوں پر اسی بات کو پرکھنا چاہئے۔اب آیئے مذکورہ بالا تعامل کا علمی جائزہ لیتے ہیں:

(1) اہل علم کا کثیر تعداد میں اتفاق واقعی تسلی اور صحت کا سامان بن کر کسی مسئلہ کی صحت پر دلالت کرتا ہے،مگراس صورت میں ایک نہایت اہم شرط کا لحاظ ضروری ہوتا ہے:

وہ یہ کہ اہل علم حضرات کی یہ کثیر تعداد بذات خود اسی مسئلہ کو زیر بحث لاکر اس پر نفیاً یا اثباتاً تحقیق کر چکے ہوں۔

اب اگر کسی تحقیق میں یہ شرط تو نہ پائی جائے بلکہ اکابر بزرگوں (۱) کی مسلمہ شخصیت ہونے کی وجہ سے ملک کے اندر بڑے بڑے علمی حلقوں نے اس کو بعینہ قبول کرلیا (۲) تو

---

(۱) جیسا کہ پرانے نقشے کی تحقیق کو شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد یوسف بنوری اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

(۲) یہاں پر یہ نہ سمجھا جائے کہ راقم اکابر علماء حضرات کی اتباع کو حرام قرار دے رہا ہے **(بقیہ اگلے صفحے پر)**

ایسی صورت حال میں بزرگوں (کی تائید کی وجہ سے تحقیق ان) کی طرف منسوب ہوکر ایک بات شہرت اختیار تو کر لیتی ہے مگر محض حسن عقیدت اور اتباع اکابر کے علاوہ کسی محقق عالم کی تحقیق اس پر موجود نہیں ہوتی ۔ لہٰذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے ملک کے اکثر علماء حضرات کا اس کو قبول کرنا بالکل عام ہوجاتا ہے ۔ اب بظاہر تو یہ تعداد علماء کی نظر آرہی ہے، مگر حقیقت میں اسکو علمی اور تحقیقی قوت ایک مستند عالم کی بھی حاصل نہیں ہوتی.

(2) دوسری طرف اس کے برعکس ایک عالم ربانی (۱) نے نہایت قوی اور ٹھوس شہادتوں سے مبرہن کر کے ایک تحقیق پیش کی ہو اور علی الاعلان اس کو چیلنج کے طور پر شائع کر چکے ہوں ۔ اور یہ شخصیت بھی اصلاح باطن، علمیت اور مسائل فقہیہ میں ملک کے گوشے گوشے میں اپنا لوہا منوا چکی ہو ۔ البتہ اکابر کی حیثیت رکھتے ہوئے اول الذکر بزرگ حضرات کے احترام کا درجہ مؤخر الذکر حضرت کی بنسبت زیادہ ہو ۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے زیر بحث موضوع اور متعلقہ فن میں مؤخر الذکر حضرت ایک محقق اور نہایت ماہر فن کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہوں ۔ جو شخصیت علمی اور فنی مہارت میں ایسے مقام پر فائز ہو، تو دیانت وانصاف کے میدان میں، محض اکابر بزرگوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی مفصل اور مدلل تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کرنا قطعاً علمی روایات کے خلاف ہوگا۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ) بلکہ مقصد یہ ہے کہ اتباع کرتے ہوئے اس تحقیق کا کم از کم مطالعہ تو کرنا چاہئے ۔ تا کہ یہ ان بزرگوں کی تحقیق ہو تو سہی ! ایسا نہ ہو کہ ''ان بزرگوں کی تحقیق'' کے نام پر کوئی بات ویسے شہرت پا چکی ہو

(۱) جیسا کہ نئے نقشے کے اثبات میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ لودھیانوی کی تحقیق ہے ۔

(3) قارئین حضرات ''پہلی تحقیق'' کی حیثیت کو ملاحظہ فرمائیں اوراس کے مقابلے میں ''مؤخر الذکر تحقیق'' کا وزن کیجئے گا بظاہر تو پہلے والی شخصیت کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ جبکہ دوسری کی کم ہے۔مگر علمی اور تحقیقی غور وفکر جتنا دوسرے والے کی موقف کو حاصل ہے, وہ پہلے والے سے کئی درجہ قوی ہے۔اس سے ظاہر ہوا کہ علماء کی مطلق اکثریت ایک تحقیق طلب مسئلہ میں کافی نہیں ہوا کرتی ۔کیونکہ اکثریت کی جو حمایت پہلے عالم کی بات کو حاصل ہے اس کی بناء خارجی عوامل پر ہے جس کو آپ حسن ظن اور عقیدت کہہ سکتے ہیں۔اور ظاہر بات ہے کہ حسن ظن اور حسن عقیدت تحقیق اور غور فکر کا حصہ نہیں ہیں۔لھذا جہاں پر ایک مسئلہ کے متعلق محققانہ فیصلہ کی بات آجائے تو وہاں پر ''اکثریت'' اگر ملحوظ رکھی بھی جائے تو اس میں ایسے حضرات علماء کا اعتبار کیا جائے گا جنہوں نے تحقیق کرتے ہوئے کسی ایک جانب رائے قائم کی ہو۔

(4) مذکورہ بالا ساری تفصیل تو تب ہے جبکہ پہلی تحقیق کی نسبت اکابر بزرگوں کی طرف صحیح مان لی جائے لیکن اگر پہلی والی تحقیق اکابر میں سے کسی بزرگ سے ثابت ہی نہ ہو، بلکہ ایک فن فلکیات کے جاننے والے کی مرتب شدہ ہو اور اس صاحب کے تمام حوالجات مسلم اور غیر مسلم ماہرین پر مشتمل ہو جن کو اگر چہ متعلقہ فن میں مہارت حاصل ہو لیکن فنی مہارت تو اس وقت کوئی شئے ہی نہیں، جب تک اس کے نتائج کو شریعت کے اصولوں پر پیش کر کے ان کے موافق ثابت نہ کی جائیں۔اور ظاہر ہے کہ جدید مسائل کو اصول شریعت پر پرکھنا کسی بھی غیر مسلم ماہر فلکیات یا اس مسلم ماہر فن کا کام نہیں ہے جس کو اصول شریعت پر مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔اب اگر اس پہلے والی تحقیق سے ان

بزرگوں کی تائید تھوڑی دیر کیلئے منقطع فرض کیا جائے تو اب بتا دیجئے گا کہ مؤخرالذکر، عالم دین اور فقیہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر فن بھی ہے، کے مقابلے میں پہلے والی تحقیق (جو محض ماہرین فن کی آراء پر مشتمل ہو) کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟

ازالہ شبہ:

اب قارئین حضرات کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر 18 درجے والی تحقیق اتنی کمزور تحقیق تھی تو پھر اس کو بزرگوں کی تائید کیونکر حاصل ہوگئی؟ اس کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے گا کہ جب بقول پروفیسر عبداللطیف صاحب (۱) ان حضرات کو فن کا علم حاصل نہیں تھا تو خطاء کا امکان زیادہ متوقع ہو جاتا ہے۔لہٰذا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے ماہر فن پر اعتماد کر کے اس کی تائید کی ہو۔اور اس قسم کی صورت حال میں اگر خطاء واقع ہو جائے تو اس سے کسی بزرگ کی عظمتِ شان میں کمی نہیں آتی (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔پس جب اکابر حضرات خود اس (18 درجے والی تحقیق) کے محقق نہ ہوئے تو محض تائید کو اتنی قوت حاصل نہیں ہوسکتی جس کی بدولت ایک محقق عالم دین فقیہ العصر اور ماہر فن کی ایک محققانہ اور دلائل سے بھرپور تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کر دی جائے۔ بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ بزرگوں کا احترام سرآنکھوں پر کرتے ہوئے ان حضرات کی طرف منسوب (تائیدی)

---

(۱) راقم کو ایک خط میں تحریر فرمایا ہے؛''بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جماعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے؟ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔

تحقیق کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیں۔اب ہم آتے ہیں اس تحقیق کی طرف جس پر (بظاہر) جمہور یا علماء کی اکثریت کا اتفاق نظر آرہا ہے۔

محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں:

18 درجے کی تحقیق دراصل ماہرین فن خصوصاً پروفیسر عبد اللطیف صاحب (کراچی) کی ہے۔اور اکابر میں سے جن حضرات نے 18 درجے والے نقشے کی تائید فرمائی ہے ان میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ہیں۔ان حضرات کے علاوہ پورے علاقہ کیا بلکہ پورے ملک میں جن علما کے ہاں یہ نقشہ رائج ہے، یا اس کی تصدیق کی ہے، کسی نے بھی آج تک علمی تحقیق اور عینی مشاہدات نہیں کیئے اور نہ مذکورہ بالا تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیا ہے(۱) حتیٰ کہ خود دارالعلوم کراچی سے استفتاء کا جو جواب ہمیں ملا ہے اس میں بھی اس قسم کی باتوں کی کوئی صراحت نہیں ہے(۲) اسی طرح جن علماء کرام سے ہم نے اسی حوالے سے ملاقات کی ہے ان سب نے یہی جواب دیا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کیسے کی جائے؟ اس جواب کے علاوہ کسی کی زبان سے احقر نے کم از کم یہ بات نہیں سنی کہ ہمیں دلائل میں غور وفکر اور عینی مشاہدات کے بعد ۱۸ درجے پر صبح صادق کا شرح صدر ہو گیا ہے، ذیل میں چند حوالے قلم بند کیئے جارہے ہیں

(1)...... راقم الحروف نے دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مسندِ افتاء کے

---

(۱) شائد کوئی ہو مگر ہمارے علم میں نہیں ہے ۱۲

(۲) فتوے کی عبارت ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

تمام مفتیان کرام سے خصوصی ملاقات کی ہے جب ان حضرات نے قدیم نقشے کی صحت کا جواب ارشاد فرمایا۔تو بندہ کے دوبارہ استفسار پر صرف یہ جواب ملا کہ اگر چہ ہم نے بذات خود تو کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے لیکن اکابر میں سے ان بزرگوں نے اسی کی تصویب فرمائی ہے۔(۱)

(2)........پنجاب کے بعض علماء حضرات سے (جن میں بعض حضرات راقم کے اساتذہ بھی تھے) ملاقات پر بھی یہ جواب ملا کہ ہم نے کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے۔

(3)...... ہمارے اپنے علاقے میں تین مدارس سے پہلے والا نقشہ باقاعدہ گی سے

---

(۱) بعد میں تفصیلی ریکارڈ مفتی مختار اللہ صاحب نے جب ملاحظہ فرمایا تو 18 درجے کو غلط اور 15 درجے کو درست قرار دیتے ہوئے باقاعدہ فتویٰ دیدیا۔جس کی عبارت یہ ہے:......بندہ ناچیز کے ذہن میں ان نقشہ اوقات کے بارے مین کچھ اشکالات پائے جاتے ہیں، لیکن کم فرصتی کی وجہ سے اس طرف کوئی خاص توجہ دینے کا موقع نہیں ملا اب جب آپ نے ان دونوں نقشوں کے حوالہ سے تحقیق کر کے وہ تمام خطوط و روابط اور مختلف کتب کے حوالجات ارسال کئے تو یہ اس بات کا باعث بن گیا کہ ان نقشوں کے بارے میں کچھ فیصلہ کن رائے قائم کی جائے۔لہٰذا بندہ نے اپنے بساط کے مطابق غور و تجسس کرتے ہوئے دونوں نقشوں کے اوقات ملاحظہ کئے جس کے نتیجے میں وہ نقشہ جس میں صبح صادق کے اوقات ۱۵ درجے زیر افق کی بنیاد پر مندرج ہیں، بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔اس کے علاوہ فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا (مفتی) محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ فریدیہ جلد دوم میں آپ کے ذاتی مشاہدات اور تجربے کی بنیاد پر صبح صادق کے حوالے سے جو فتویٰ تحریر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۵ درجے والا نقشہ درست ہے، تحریر فرماتے ہیں : ریاضی کے اصول کے مطابق یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵ * ۴ = ۶۰ منٹ بنتا ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں (فتاویٰ فریدیہ ج ۲، ص ۱۵۳)

مفتی مختار اللہ حقانی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بتاریخ: ۲۴/۴/۲۰۰۷ء

شائع ہوتا رہا۔ان کے ذمہ دار حضرات یہ ہیں:۔

☆ مولانا مفتی ارشاد احمد حقانی صاحب، گاؤں مرغز، صوابی

☆ مولانا عبدالسلام صاحب مہتمم جامعہ سلمان فارسیؓ ، گاؤں ٹوپی، صوابی

☆ مولانا مفتی خالد صاحب، گاؤں باجا، صوابی

یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ان میں سے خط و کتابت کے زریعے سے بھی اور بعض حضرات سے ملاقات میں یہی جواب ملا ہے کہ ہم نے نہ مشاھدہ کیا ہے اور نہ کسی قسم کی تحقیق ضروری سمجھی ہے۔

(4)......ان کے علاوہ بے شمار ایسے فضلاء حضرات سے اس بارے میں گفتگو کی جو فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کے بھی دعوے دار تھے مگر کسی نے ماسواء اس کے، کہ ہم اکابر کا اتباع کر رہے ہیں، کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا۔حقیقت یہ ہے کہ تلاش حق اور احترام اکابر کے درمیان تباین کوئی نہیں کہ آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔اس کی ایک مثال ان شاءاللہ آگے آرہی ہے۔

(5)......علاوہ ازیں پرانے نقشے پر عمل اور اس کے اہتمام کو دیکھا جائے تو منصوص سے کم سمجھا نہیں جاتا۔

قارئین کرام! اس تحقیقاتی سروے کا لب لباب یہ ہے کہ پرانے نقشے پر اگر چہ اکثر علماء کا عمل نظر آرہا ہے مگر اس میں وہ شرط نہیں جو اسکی قوت کیلئے ضروری ہے۔یعنی کسی عالم نے اس کا تحقیقی یا تنقیدی جائزہ لے کر ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ بزرگوں پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر اس کا ساتھ دیا جارہا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ محض عملی اتفاق قطعاً

معتبر نہیں۔

امکانِ خطاء:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ علماء کا کسی مسئلے پر فقط عمل اسی کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتا اور نہ یہ مطلقاً حقانیت کی دلیل ہے بلکہ خطاء کا امکان اس قسم کے مسائل میں ہر وقت پایا جاتا ہے، یہاں اس حوالے سے بھی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

شرح عقود رسمی المفتی میں علامہ عمر ابن العابدین (**المعروف بعلامہ شامیؒ**) فتویٰ کے اصول وضوابط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی مسئلہ کے بارے میں اصل حوالہ (یعنی دلیل) نہ ملے تو بغیر تحقیق کے کسی بڑے سے بڑے بزرگ اور مفتی کے قول پر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور وجہ اسکی یہ بتلائی کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اسی طرح ہو جاتا ہے کہ اوپر سے نقل کرتے کرتے بغیر تحقیق بالکل غلط اور خلاف مذہب فتویٰ چلا آرہا ہوتا ہے۔

قلت : وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتاب من کتب المتأ خرین ، ویکون القول خطأً اخطأ به اول واضع له ، فیأتی من بعده وینقله عنه وھکذا ینقل بعضھم عن بعض... ....(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۸،۲۹)

ترجمہ: میں (علامہ شامیؒ) کہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متأخرین کی کتابوں میں بیس کتابوں تک ایک بات نقل ہوتی چلی جاتی ہے حالانکہ اس مسئلہ کو پہلے بیان کرنے والے شخص سے غلطی ہوئی ہوتی

ہے مگر بعد کے لوگ اس پر اعتماد کر کے نقل کرتے رہتے ہے۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے متعدد مثالیں دی ہیں ہم یہاں طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کے اردو ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔

﴿1﴾ محض تلاوت قران کے لیے کسی کو اجرت پر لینا درست ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں نقل در نقل بہت سارے متقدمین کی دہراتی ہوئی غلطی کے بارے میں رقمطراز ہیں :

" اور ان مسائل میں ایک مسئلہ محض تلاوت قرآن پاک پر اجرت لینا ہے۔ قدوری کی شرح **السراج الوهاج** اور **الجوهرة النيرة** میں ہے کہ: مفتی بہ قول یہ ہے کہ (تلاوت قرآن کیلئے) اُجرت پر (کسی کو) لینا درست ہے۔ حالانکہ وہ اُلٹا سمجھ گئے ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیمِ قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر لینا درست ہے، محض تلاوت پر اجرت درست نہیں ہے۔ پھر بعد میں جو لوگ آئے انہوں نے اس (شارح قدوری ،حدادی) کی پیروی کی اور انکی بات نقل کرتے چلے گئے۔ حالانکہ وہ صریح غلطی تھی بلکہ بہت سے حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ: فتویٰ اس پر ہے کہ تمام عبادتوں پر اُجرت درست ہے اور یہ سب حضرات مسئلہ عموم اور اطلاق کیساتھ تحریر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ متأخر ین کا مذہب ہے۔ اور بعض لوگ اس پر حج کیلئے بھی اجارہ درست

قرار دیتے ہیں (حالانکہ) یہ سب باتیں غلط ہیں اور پہلی غلطی سے بھی زیادہ سنگین ہیں'' ....(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۹)

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب السراج الوہاج جوفقہاء احناف کے زبردست فقیہ گزرے ہیں ابو بکر بن علی الحداد، الزبیدیؒ المتوفی سنہ ۸۰۰ھ هجری ہیں۔اور انکے بعد جتنے اکابر چار ساڑھے چار سو سال میں گزریں ہیں کسی کو اس کا ادراک نہ ہوسکا الٹا اسی کو اکثر علماء اپنی کتابوں میں بلا تحقیق نقل کر کے ایک شرعی مسئلہ سمجھتے رہیں، یہاں تک کہ علامہ شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ نے آکر اس حقیقت کی نشاندہی فرمادی۔

﴿2﴾....ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کی شان عالی میں گستاخی کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ فتاوی بزازیہ میں منقول ہے کہ ہمارے نزدیک اسکا قتل واجب ہے، توبہ مقبول نہیں ہے، اگر چہ وہ اسلام قبول کرلے صاحب بزازیہ نے یہ بات قاضی عیاض مالکی کی الشفاء اور ابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلول کی طرف منسوب کی ہے پھر بعد کے اکثر فقہاء نے اسکی پیروی کی ہے، یہاں تک کہ خاتم المحققین علامہ ابن الہمام اور الدرر والغرر کے مصنف نے بھی یہی بات لکھئے حالانکہ شفاء اور صارم میں جو بات ہے کہ وہ یہ ہے کہ یہ شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور ہمارا مذہب قطعیت کے ساتھ یہ نقل کیا

ہے کہ اسکی توبہ مقبول ہے۔اور یہی بات قدماء احناف کی کتابوں میں مذکور ہے جیسے امام یوسفؒ کی کتاب الخراج امام طحاوی کی مختصر کی شرح اور سعدی کی النتف الحسان وغیرہ فقہ حنفی کی کتابیں۔(۱)

علامہ شامیؒ ایک موقع پر اپنا ایک واقع تحریر فرماتے ہیں:

3 ... میں (علامہ شامیؒ) نے ایک بار وقف کے ایک مسئلہ میں عام کتابوں کے مطابق فتوی دیا اس مسئلہ میں عمدۃ المتأخرین علامہ حسکفیؒ پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے درمختار میں اس مسئلہ کو خلاف صواب ذکر فرمایا ہے۔میرا وہ فتویٰ ملک کے بعض مفتیوں کے ہاتھ لگ گیا۔انہوں نے اس کی پشت پر میرے فتوے کے خلاف اور در مختار کے مطابق فتویٰ لکھا اور بعض نے تو یہ بھی لکھا کہ ''علائی (درمختار) میں جس طرح مسئلہ ہے وہی معمول بہا ہے، کیونکہ وہ متأخرین معتمد علیہ ہیں'' نیز یہ بھی لکھا کہ ''اور اگر تمھارے پاس اس کے خلاف دلیل ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے'' دیکھا آپ نے جہل عظیم! اور احکام شرعیہ میں تہور و دلیری! اور کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر اور علم کے بغیر فتویٰ نویسی پر اقدام! کاش ان صاحبوں نے علامہ ابراہیم حلبیؒ کا درمختار کا حاشیہ ہی دیکھ لیا ہوتا کیونکہ وہ بآسانی دستیاب ہوسکتا تھا۔حلبی نے اس موقعہ پر تنبیہ کی

(۱) ترجمہ ''آپ فتویٰ کیسے دیں'' ص ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

ہے کہ علائی نے جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔(۲)

علامہ شامیؒ نے افتاء اور تحقیق کے طلباء کیلئے ایک مستقل اصول کے طور پر اس کو ذکر کے یہ سبق دلا دیا کہ جب تحقیق کی بات آتی ہے تو اس میں بڑے سے بڑے آدمی کی بات کو بھی اصل مآخذ کے ساتھ پرکھنا پڑیگا۔ ہمیں ان مثالوں پر خوب غور کر کے اکابر کے نقش قدم پر نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا چاہیئے کہ کسی مسئلہ کا محض عمومیت کیساتھ منقول ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اگر ایسے مسائل جو خالص شرعی ہونے کیساتھ ساتھ اس میں اصل مسلک بلا ابہام منقول بھی ہے، مگر اس کے باوجود عمومی نقل اصولی طور پر قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔ تو کیا کہنا آج کے نقشہ اوقات کے بارے میں جو خالصتاً سائنسدانوں اور ماہرین فن کی مرہون منت ہے۔

کیا واقعی 18 درجے والے نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟

بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے بحثِ مذکورہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ اکثر علماء کا ایک مسئلہ پر اتفاق کسی مسئلہ کی صحت کی دلیل بن سکتا ہے مگر وہ اس صورت میں ہے کہ ان حضرات کا عمل تحقیق کی بنیاد پر ہو محض سنی سنائی یا ویسے کسی بزرگ وغیرہ پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر نہ ہو۔ مگر یہاں مذکورہ بالا جواب کے علاوہ ہماری طرف سے بھی ایک سوال

---

(۲) شرح عقود رسم المفتی ص ۳۸ تا ۳۹

سماعت فرمالیجئے:

وہ یہ کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ اس پرانے نقشہ کو حقیقت میں قبولیت عامہ (تحقیق پر مبنی نہیں بظاہر ہی سہی) حاصل بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟

ان حضرات کی طرف سے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہاں اسکو واقعی قبول عامہ حاصل ہے۔مگر ہماری تسلی کیلئے یہ جواب نا کافی ہے۔البتہ ہماری طرف سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ اسکو قبولیت عامہ حاصل ہے۔کیونکہ ظاہری طور پر کسی مسجد میں پرانے نقشے کا آویزاں ہونا اس بات کی دلیل ہی نہیں کہ اس پر عمل بھی اسی طرح ہو رہا ہو،اسکی کئی وجوہات ہیں:۔

﴿1﴾ نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد:

اکثر علماء خصوصاً فجر اور عشاء میں مشاہدہ کا اعتبار کرتے ہیں اور نقشے کے اوقات کا انکو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ان لوگوں میں پرانے اور بزرگ حضرات شامل ہیں۔گاؤں اور دیہاتوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہیں کہ وہ نقشوں کو کوئی اسلامی چیز،خصوصاً اوقات نماز میں، سمجھتے ہی نہیں ۔ہمارے گاؤں (صوابی) میں تقریباً 80 مساجد ہیں، میں نے ایک مسجد بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں عشاء کی اذان نقشے کے مطابق دی جاتی ہو باوجود یہ کہ مساجد میں پرانے نقشے آویزاں ہیں۔اور یہی معاملہ آس پاس کے گاؤں کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے۔

﴿2﴾ فنی باریکیوں سے عدم واقفیت:

بعض حضرات مشاہدہ کر کے علے الاعلان پرانے نقشے کی مخالفت تو کرتے

رہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ نقشہ ہی تبدیل کر کے نیا بنا دیں ۔ کیونکہ ان کا اختلاف 18اور15 کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ پرانے نقشے کا محض مشاھدے کا عدم موافقت ہوتا ہے۔ چند بزرگوں کے واقعات عرض کررہا ہوں:

(۱).......ہمارے علاقے کے ایک معمر عالم (حضرت مولانا قاضی اشرف خان صاحبؒ) ہوا کرتے تھے جو علاقہ میں بطور قاضی دین کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اور طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پرانے نقشے کی مخالفت علے الاعلان کیا کرتے تھے۔ میرے ایک استاد محترم حضرت مولانا قاری مستمر خان صاحب (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ) قاضی صاحب مرحوم کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں اور استاد صاحب (قاضیؒ) ساتھ بیٹھ کر سحری کھا رہے تھے کہ اتنے میں پرانے نقشے کے مطابق اذانیں شروع ہوگئی تو قاضی صاحب نے فرمایا سحری کھاتے جاؤ اس کے بعد بھی 20 منٹ تک سحری کھائی جاسکتی ہے۔

(۲).......ہمارے ایک رشتہ دار حضرت مولانا فضل وہاب صاحب مدظلہم جو سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کر چکے ہیں، تقویٰ واحتیاط میں پورے علاقہ میں معروف ومشہور ہیں۔ راقم فقیر بذات خود کئی دفعہ (اصلاحی تعلق کی بنا پر) حضرت صاحب کیساتھ باوجود دوسرے

محلے کے اعتکاف میں شریک ہوتا رہا۔سحری اور صبح صادق کے تعین کا دارومدار انکے نزدیک مشاہدے پر تھا۔ کیونکہ حضرت گاؤں کی مغربی جانب دُور کھیتی باڑی کرتے ہوئے آب پاشی کیلئے اکثر اوقات رات کے وقت جایا کرتے تھے۔اسلئے ان کو مشاہدہ کا موقع نہایت آسانی کیساتھ میسر آتا تھا۔لہٰذا اکثر اوقات ایسا ہوا کہ پرانے نقشے کی بنیاد پر اردگرد مساجد میں صبح کی اذانیں ہورہی تھی اور ادھر اعتکاف والے ابھی سحری کھا رہے ہوتے تھے۔فقیر کے ایک سوال پر جواباً فرمایا کہ ہم نے کئی دفعہ صبح صادق کا مشاہدہ کافی تا خیر سے طلوع ہوتے ہوئے کیا ہے

(۳) صوابی شہر کے مرکزی جامع مسجد صوابی اڈہ کے پیش امام اور خطیب مولانا گل رحیم صاحب مدظلہم (جن کے میراث اور طلاق وغیرہ کے فتوے سرکاری عدالتی فیصلوں میں پیش کئے جاتے ہیں) علی الاعلان (پرانے) نقشوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس مخالفت میں اتنے متشدد ہو گئے تھے کہ ایک ملاقات پر انہوں نے اوقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فقیر کہا ''کہ بھئی میں تو نقشہ نہ پرانا مانتا ہوں اور نہ نیا۔ نیا نقشہ تو میں نے خیر دیکھا نہیں کہ اس کے اوقات کیا ہیں،مگر پرانا نقشہ جو عام مساجد میں مستعمل ہے فجر اور عشاء کے اوقات کے حوالے سے بالکل غلط ہے'' حال یہ کہ مولانا

صاحب کی مسجد میں پرانا نقشہ لگا ہوا تھا۔

ان حوالوں کونقل کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دیکھو پرانے نقشے کیساتھ ان علماء کرام کے اختلاف کے باوجود، چونکہ کسی تحریری طور پر مخالفت منظر عام پر آئی نہیں تھی، لوگ یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ پرانے نقشے کو " قبولیت عامہ" حاصل ہے۔چونکہ یہ حضرات سیدھے سادھے کتاب کے مطابق مشاہدہ کے عادی تھے۔اور ریاضیاتی حسابات وغیرہ کا انکو علم تھا نہیں، جس کے زریعے کسی دوسرے (نئے) نقشے کیلئے بندوبست کرتے۔اسی طرح نہ انکو 18۔15 درجے کے اختلاف کا کوئی پتہ تھا۔معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر پرانے نقشے کی عمومیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر علماء اس کی غلطی سمجھ گئے تھے مگر انکو اس نقشے کی فنی باریکیوں یا اس میں فنی اختلاف کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس غلطی کو علمی بنیادوں پر ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔

﴿3﴾ محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی محقق عالم کا ذاتی تجربہ اور رائے بھی مخالف ہوتی ہے اور باقاعدہ علم ہئیت سے بھی واقف ہوکر 18-15 درجے کی فنی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور فتویٰ بھی 15 درجے کی تائید اور اثبات میں دیتا ہے (اب ظاہر ہے کہ ایسے علماء کرام کا اپنا عمل بھی 18 درجے کے مخالف ہوکر 15 درجے والے نقشے کے مطابق ہوگا) لیکن ان سب حقائق کے باوجود دیکھنے میں یہ آیا ہے۔کہ ایسے اہل علم حضرات کی طرف سے بھی ان حقائق پر مبنی کوئی نیا نقشہ شایع نہیں ہوا لہذا نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ پرانے کو "قبولیت عامہ" نصیب ہوا ہے۔ہم

یہاں پر مشہور زمانہ مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم (سابق مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کے فتاویٰ فریدیہ ج ۲/ سے چند فتوے نقل کررہے ہیں:

(۱) ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

''محکمہ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے خلاف ہے''.........(فتاویٰ فریدیہ ج ۲، ص ۱۵۱)

(۲) ص ۱۵۳ پر لکھتے ہیں:

''ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵*۴=۶۰ منٹ ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں ہے ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں میں چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے''.......................(ایضاً ج ۲، ص ۱۵۳)

ہم نے ہجری کیلینڈر کو شمسی میں تبدیل کرتے ہوئے جب مذکورہ بالا تاریخ کا موازنہ کیا تو 20 اگست 1982ء کو یکم ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ کی تاریخ بنتی ہے، ہم نے دیکھا تو الحمدللہ پچیس سال پہلے دیا ہوا فتویٰ آج ہمارے نقشے کی تائید کررہا ہے قارئین (ضلع صوابی کیلئے) ہمارے مرتب کردہ نقشے میں دیکھ سکتے ہیں کہ 23 اگست کو صبح صادق کا وہی وقت درج ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بار بار مشاہدہ کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

''ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں

(بمطابق 23 اگست کو) چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔'' (ایضاً)

(۳) اور ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں:

''اصولی طور پر مفتی رشید احمد صاحب کا اندازہ درست ہے البتہ ہمارے بلاد میں میں مشاہدہ کی بنا پر سوا گھنٹہ وقت بنتا ہے''

(۵/جولائی ۱۹۸۶ء) .... (ایضاً ص ۱۵۴)

اس میں تو مفتی صاحب نے بالکل صراحت کیساتھ مفتی رشید احمد صاحب کی تائید فرما دی۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم کے نائب مفتی مولانا مفتی محمد وہاب صاحب منگلوری جو فتاویٰ فریدیہ کے مرتب بھی ہیں، نے راقم کو ٹیلفون پر بتایا کہ آپکی طرف سے شائع کردہ دائمی نقشہ اوقات کا نیا نقشہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم کی مختلف کتب کی طرف مراجعت کے علاوہ ان سے بالمشافہ استفسار بھی کیا لہٰذا ہماری رائے آپکے ساتھ سو فیصد متفق ہے۔ مگر چند فنی باتیں ہیں جن کی وضاحت کیلئے آپ کے ساتھ بالمشافہ ملاقات ضروری ہے۔ مگر ہماری گوناگو مصروفیات اس میں مانع ہیں لہٰذا اگر آپ ہمارے ہاں مدرسہ میں آجائیں تو مہربانی ہوگی فقیر ایک حکم پر خدمت میں حاضر ہوا۔

الحمدللہ ملاقات میں فنی امور کی وضاحت ہوگئی۔ بعدازاں انہوں نے اپنے جامعہ کی جانب سے 15 درجے کے مطابق نیا نقشہ مرتب کر کے اسکی ایک کاپی راقم کے پاس بھی ارسال فرمادی۔ اور مزے کی بات یہ کہ نقشے کے اوپر 18 اور 15 درجے کے بارے میں استفتاء تحریر کرتے ہوئے جواب میں نئے نقشے (یعنی 15 درجے کے

نقشے) کے حق میں فتویٰ درج کردیا اور اس پر باقاعدہ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم نے اپنے ہاتھوں سے ''الجواب صحیح'' بھی تحریر فرمایا۔ دیکھو فتویٰ مذکورہ کے باوجود جو فتاویٰ فریدیہ میں 25 سال پہلے شایع ہوا ہے، محض نئے نقشے کے عدم اشاعت کی وجہ سے سارے لوگ یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پرانے نقشے کو'' قبولیت عامہ'' حاصل ہے۔ پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خود اسی دارلافتاء کے مدرسہ میں آج تک پرانا نقشہ آویزاں تھا، تو بات، عرض کرنے کی، یہ تھی کہ محض نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں نے سمجھا ہوا ہے کہ پرانے نقشے کو قبول عام حاصل ہے۔

قارئین کرام آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ پرانے نقشے کی قبولیت عامہ کا جو چرچا ہے وہ صرف ظاہری ہے اور رواجی ہے۔ جبکہ تحقیقی سروے سے معلوم ہوا کہ اکثر اہل علم حضرات پرانے نقشوں کی صحت کی تردید ہر دور میں کر چکے ہیں مگر کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ان حضرات کی طرف کسی نقشے کی صورت میں یا مستقل کسی تحریر کی شکل میں وضاحت سامنے نہیں آئی۔

فائدہ:

یہاں تک ابحاث سے مصنف کے ذکر کردہ نکات میں نمبر ۶ کا جواب ہو گیا کہ اس تحقیق پر جمہور اہل علم کا اتفاق اور عملی تواتر چلا آرہا ہے، لہٰذا یہ اس کی صحت کی دلیل ہے حالانکہ ایسا ثابت نہ ہوسکا۔

18 درجے والی تحقیق کس کی؟

اس بحث میں ان شاء اللہ الرحمٰن نکتہ نمبر ۵ کا جائزہ لیں گے کہ محترم مصنف نے

تحریر فرمایا ہے:

''....لیکن جب حضرتؒ نے بعض اہل فن حضرات کے ساتھ بحث وتمحیص کے اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق وتمحیص کے نتیجے میں آپ کا وہ تردد رفع ہوگیا.....

.... (ص ۱۷۰)

حقیقت یہ ہے کہ جن اکابر حضرات کی طرف پرانے نقشے کی تحقیق منسوب کی جارہی ہے اور جن کا ہر عام وخاص سے ہم نام سنتے چلے آرہے ہیں (۳)۔ان بزرگوں نے خود اپنی تحقیق بھی تو کوئی نہیں فرمائی اور نہ اس علم میں ان حضرات کو کوئی خاص مہارت حاصل تھی بلکہ حقیقت میں 18 درجے والی تحقیق جغرافیہ کے پروفیسر محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔جس میں محکمہ موسمیات مسلم وغیر مسلم ماہرین فلکیات،اور گرین ویچ کی رصدگاہوں وغیرہ کے غیر مسلم ماہرین کے حوالوں سے پرانے نقشے کو ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔پروفیسر عبداللطیف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مگر علماء کرام ودیگر مخلص احباب کی دلی تمنا یہ تھی کہ کوئی اٹھے اور اس کی تحقیق کرے،مغالطہ کی نشان دہی کرے اور غلط فہمی کو دور کرے،اور حقیقت کو منظر عام پر لائے،ان مخلص اللہ والے لوگوں کی آرزوؤں اور دلی تمناؤں اور دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اس ناچیز کو اس خدمت کے لئے قبول فرما کر تحقیق و

(۳)اور جناب مصنف صاحب نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے۔

مشاہدات کی توفیق بخشی، جو کہ اس وقت اس رسالہ کی شکل میں آپ تک پہنچی ہے"...................(صبح صادق وصبح کاذب :صفحہ نمبر۱۳)

آگے اظہار تشکر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"محدث العصر حضرت العلامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بندہ کی اس کاوش سے شروع ہی سے اتفاق فرما کر ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی، اور وقتاً فوقتاً اپنے گراں قدر مشوروں اور ہدایات سے نوازا، اللہ رب العزت ان بزرگانِ دین کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے، آمین"..(ایضاً ص : ۱۶)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"اس کے علاوہ میں دارالعلوم کو رنگی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عاشق الٰہی ساحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا امیر احمد صاحب علوی اور حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے میری

اس کاوش میں ہر طرح سے تعاون فرمایا'' (ایضاً ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ اولین تحقیق جو ۱۸ درجے کے اثبات کے حوالے سے ہوئی ہے وہ بنیادی طور پر حضرات اکابر میں سے کسی ایک کی بھی نہیں بلکہ وہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔ جنھوں نے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کو حمایت میں لیا ہوا تھا۔

پروفیسر صاحب راقم کو ایک خط میں بزرگوں سمیت ان 11 علما کرام کی کمیٹی (۱) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''۔۔۔بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جمعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے ۔۔۔'' (۲)

ابھی تو اور صراحت کے ساتھ وضاحت سامنے آئی کہ جب یہ حضرات فنی علم ہی سے قطعی طور پر ناواقف تھے، تو اس صورت میں اس تحقیق کو بزرگوں کی تحقیق کہنا تو درکناران کی تائید بھی محل کلام ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہوگئی کہ قدیم نقشوں کے اثبات میں ان بزرگوں نے اپنی تحقیق نہیں کی تھی بلکہ پروفیسر صاحب کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی سے جب استفتاء کیا گیا تو جواب کے طور پر

---

(۲) جس میں مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد رشید احمد لدھیانویؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی و مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم وغیرہ شامل تھے ، گیارہ علماء کرام کی اس کمیٹی نے جو مشاہدات کئے ان میں 18 درجے پر صبح کاذب جبکہ 15 درجے پر صبح صادق نظر آ گئی تھی، ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ جلد دوم

(۳) اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے، راقم

پر مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمادی گئی:

> ''حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جو آخری مشاہدات کئے تھے وہ ۱۸ درجے کے مطابق تھے، نیز اس موضوع پر پروفیسر عبد اللطیف صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے ''صبح صادق وصبح کاذب'' اس میں انہوں نے قدیم اور جدید علماء کی آراء اور عمدہ تحقیق کی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ۱۸ درجے والے قول کو اختیار فرمایا۔'' (۱) (سید حسین احمد)

حضرت مفتی صاحب کے مشاہدات ہوئے ہیں یا نہیں؟ آخری مشاہدات میں بزرگوں نے بذات خود شرکت فرمائی تھی یا نہیں؟ ان مشاہدات کی کیفیت کیا تھی؟ اس کے علاوہ پروفیسر عبد اللطیف صاحب کی تحقیق کہاں تک حقائق پر مشتمل ہے؟ انہوں نے واقعی قدیم ماہرین فن کی تائید حاصل کی ہے یا نہیں؟ انکی تحقیق کتنی عمدہ ہے؟ فتوی دینے والے مفتی صاحب نے اس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا بھی ہے یا نہیں؟ دارالعلوم کراچی کے فتوے پر یہ سارے اشکالات وارد ہوتے ہیں ہم یہاں ان ابحاث کو نہیں چھیڑتے۔ مگر یہ بات تو یقینی طور ثابت ہوگئی، اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اصل تحقیق بزرگوں رحمہم اللہ کی نہیں بلکہ پروفیسر صاحب کی ہے۔

---

(۱) دارالافتاء دارالعلوم کراچی {فتویٰ نمبر ۰۹/۸۵۵، مورخہ: ۱۴۲۷/۲/۵ھ}

ایک دلچسپ:

طوالت کا خوف ضرور ہے مگر فاضل مصنف کا اس بحث کو چھیڑنے کی خاطر دلچسپی کے لئے محترم پروفیسر صاحب کے ایک خط کی مختصر عبارت اور راقم کی طرف سے اس کے جواب میں ارسال کردہ خط کی ایک عبارت یہاں درج کی جارہی ہے۔ امید ہے دلچسپی کے ساتھ اکابر کے اختلاف پر ہلکی سی روشنی بھی ضرور ڈالے گی: محترم پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''کاش ان حضرات کو اس وقت کا بھی مشاہدہ کرادیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیرافق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہوجاتی۔ کہ صبح صادق 15 پر۔ یا۔ 18 درجہ پر کس کپر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں تو قصہ ہی دوسرا تھا۔۔ زیرافق 18 درجہ کے لمحہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ تو صبح کاذب کا وفقت ہے اس کے مشاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔ اس لمحہ کو قطعی نظر انداز کیا گیا۔ اور مشاہدہ کی ضرورت تک محسوس نہیں کی گئی۔۔ حالانکہ یہی وہ وقت ہے جب صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جمعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے ۔۔۔ اور نا ہی ان حضرات کو معلوم تھا کہ یہ مقدمہ بن جائے گا۔ اگر مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیرافق 18 درجہ کے لمحہ کا

مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔مگر واللہ عالم کیوں اس کے مشاہدہ کی طرف رخ بھی نہ کیا۔کاش ان حضرات کواس وقت (18 درجہ کے لمحہ) کا بھی مشاہدہ کرادیا جاتا اور وہ اسی وقت طے فرمادیتے کہ اس لمحہ صبح کاذب کی کوئی علامات نہیں ہیں ۔۔۔کیونکہ اس لمحہ کسی قسم کی صبح کاذب کی علامات ہوتی ہی نہیں ہیں۔‘‘(۱)

ہماری طرف سے جوابی خط کا ایک اقتباس:

’’جناب نے بزرگوں کی مشاہدات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے ان حضرات کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ جھوٹے اور غیر ذمہ دار تھے،ان پر سراسر الزم ہے‘‘ جواباً عرض ہے کہ ہم قطعاً یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ ہم ان حضرات کے بارے یہ تصور بھی کر سکے چہ جائیکہ ان پر الزام لگائیں۔شائد جناب نے ان حضرات کے ساتھ تحقیقی اختلاف کو ہی الزام کا نام دیا ہو تو اس بارے میں یہ بات ذہن نشین فرمالی جائے کہ علمی تحقیق کی بنیاد پر کسی کیساتھ اختلاف کرنا ان پر الزام لگانے کو مستلزم نہیں ہوتا ہے ورنہ اسلاف و متقدمین

---

(۱)اصل خط راقم کے پاس موجود ہے۔

حضرات میں اس قسم کے اختلاف کی بے شمار مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں۔ان اختلافات کو شاہد جناب بھی ایک دوسرے پر (معاذ اللہ) الزام، ان کا غیر ذمہ دار ہونا یا ان کے بارے میں جھوٹا ہونا قرار نہ دے سکے۔ جناب نے خود اسی جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے .....''یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے.....''جب ان حضرات کا اس فن سے ناواقفیت جناب کے نزدیک خود مسلم ہے تو جناب ہی سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں ان بزرگوں کے رجوع کی بنیاد کس چیز پر ہوگئی....؟ اگر اس کی بنیاد فنی تحقیق ہے تو وہ بقول جناب بزرگوں کے پاس تھی نہیں، اور اگر اس (رجوع) کی بنیاد تحقیقِ شرعی تھی تو اس کی جناب کے پاس دلیل نہیں۔ پھر ان کے رجوع سے کسی کا اختلاف کرنا کس دلیل کی مخالفت ہے اور یہ کیسے الزام میں داخل ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ اگر ان حضرات کو ماہرین فی الفن نہ ہونے کی وجہ سے رجوع میں غلط فہمی ہوئی ہو تو یہ عین ممکن ہے اور اس صورت میں تو ان حضرات کی نیت پر کسی قسم کا شک کئے بغیر ان سے اختلاف واجب ہوجائے گا؟ لہٰذا اصولی طور پر یہ ہونا چاہئے کہ ان حضرات کا وہ فیصلہ زیادہ قابل اقداء ہو جو اس علم پر مبنی ہو جس میں یہ حضرات مہارت تامہ رکھتے تھے اور وہ ہے شریعت بیضاء کا علم ۔لہٰذا ان

بزرگوں کا وہ فیصلہ جو اس (شرعی) علم پر مبنی ہو زیادہ قابلِ قبول ہوگا بنسبت اس فیصلے کے جو فن فلکیات وحسابات پر مبنی ہو جسمیں جناب کے نزدیک بھی انکو بصیرت حاصل نہیں تھی۔ اور یہ بات اصولی طور پر آنجناب بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ جیسا کہ جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے...... ''کاش ان حضرات کو اس وقت کا مشاہدہ بھی کرادیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیر افق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہو جاتی کہ صبح صادق 15 پر یا 18 درجہ پر کس پر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں قصہ ہی دوسرا تھا..... آگے تحریر فرماتے ہیں...... مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی مگر واللہ اعلم کیوں اس کے مشاہدے کی طرف رخ بھی نہ کیا''...... جناب کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ کے نزدیک ان بزرگوں کا شرعی اصولوں کی بنیاد پر مشاہدہ ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ آنجناب نے یہ بھی افسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان حضرات کو 18 درجے کے وقت کے مطابق مشاہدہ نہیں کرایا گیا ہے بلکہ اس کے بعد (یعنی فقط 15 درجے کے مطابق) کرایا گیا ہے لہٰذا اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا مشاہدہ بقول

جناب 18 درجے کے مطابق ثابت کیا جائے تو وہ جناب کو تسلیم کرنا پڑیگا(۱) اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کس وقت مشاہدہ فرمایا ہے۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ خود مشاہدات کی صورت حال تحریر فرماتے ہیں:

☆ ''۱۱ جون، پھر ایک روشنی عرضاً پھیلنے والی افق کے اوپر شروع ہوئی، روشنی کا پورا تبیّن جس پر سب دیکھنے والوں نے کا اتفاق کیا وہ تو 4:19 پر تھا اس روشنی کے اس سے کچھ پہلے ہونے کا بھی بعض کو شبہ رہا۔

☆ ''۱۲ جون، صبح کو تقریباً 3:30 بجے میدان میں سب حضرات پہنچ گئے اس وقت افق پر مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی ٹھیک 4 بجے افق پر مخروطی طولانی روشنی نمودار ہوئی جسکو سب نے دیکھ کر صبح کاذب قرار دیا اور اس کے 17 منٹ بعد یعنی 4:17 پر صبح صادق واضح طور پر مشاہدہ کی گئی اسی پر سب کا اتفاق رہا۔طلوع آفتاب 5:35 منٹ پر ہوا

☆ ۱۳ جون، آج کراچی میں کورنگی سو کوارٹر کے قریب مشرقی ساحل سمندر پر جا کر مشاہدہ کی کوشش کی گئی جس میں مفتی رشید احمد صاحب، مولانا محی الدین صاحب، مولانا عاشق الٰہی صاحب، مولوی محمد علی صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب اور احقر محمد شفیع شامل تھے۔اتنا سب

---

(۱) اور جب ان حضرات کے ذہن میں فنی اختلاف کی تفصیلات یا کسی قسم کی حساب وکتاب نہیں تھی تو معلوم ہوا کہ ان مشاہدت کے بعد کیا گیا فیصلہ اس علم کی بنیاد پر تھا جو ان کے پاس بدرجہ اعلیٰ موجود تھا، یعنی شرعی علم۔

نے محسوس کیا کہ 4:11 جو وقت صبح صادق قدیم، نقشوں میں آج کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے اس وقت کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں تھی۔اس کے بعد وہ روشنی جس کو صبح کاذب کہا جا سکتا ہے شروع ہوئی، پھر اس کے بعد صبح صادق کی معترضاً پھیلنے والی روشنی سامنے آئی۔''

ٹنڈو آدم میں کراچی سے بمطابق مشاہدہ طلوع آفتاب،9منٹ اور بموافق حساب 10 یا 11 منٹ پہلے اوقات کا دخول ہونا چاہئے۔لہٰذا ان دنوں پرانے نقشوں کے مطابق ٹنڈو آدم کے اوقات یوں ہونا چاہئے:

پرانے نقشوں کے مطابق اوقات:

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۱جون	....	4:01بجے	5:32 بجے
۱۲جون	....	4:00بجے	5:32 بجے

اب مشاہدہ کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۱جون	....	4:19بجے	5:32 بجے
۱۲جون	4:00بجے	4:17بجے	5:32 بجے

(احسن الفتاویٰ ج۲،ص۱۷۶)

اب آنجناب کی خدمت مؤدبانہ گزارش ہے کیا یہ مشاہدات اس وقت (جبکہ سورج 18 درجے زیر افق ہو) میں نہیں جس پر حد درجہ افسوس کا

اظہار فرمایا گیا ہے..؟ یا کیا اس میں پرانے نقشوں کے مطابق صبح صادق کے وقت میں بزرگوں نے صبح کا ذب کا اعلان نہیں کیا ہے...؟ حالانکہ یہ حضرات مشاہدے کے مقام میں ساڑھے تین بجے پہنچ چکے تھے۔اورانہوں نے مشاہدے کے موافق پرانے نقشوں میں صبح صادق کے وقت میں، بجائے صبح صادق کے،نمودار ہونے والی صبح کاذب کا اعلان بھی کر دیا؟ تو پھر جناب کے خود مسلم اصول کہ...." مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اوراس لمحہ پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی "......کا کیا مطلب ہوا ؟ (۱)

---

(۱) اقتباس کی عبارت یہاں پر ختم ہوئی۔علاوہ ازیں ان مشاہدات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوگئیں:
☆ بزرگ حضرات میدان مشاہدہ میں فلکی شفق سے کافی پہلے پہنچ گئے تھے۔☆ پرانے نقشے میں دئے گئے صبح کے وقت سے پہلے افق پر اندھیرا تھا،اور کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں پائی جاتی تھی۔
☆ اگر پرانا وقت صبح صادق تسلیم کیا جائے تو ساڑھے تین بجے سے لے کر چار بجے تک کے اندھیرے میں کسی قسم کی صبح کاذب نظر نہ آئی۔☆ بعد میں چونکہ بزرگوں کی ساری تائید اور فیصلے کی بنیاد محترم پروفیسر صاحب کی تحقیق ہے۔لہٰذا محترم پروفیسر صاحب کا بزرگوں کے مشاہدے میں ۱۸ درکے کے وقت سے پہلے پہنچنے اور دوران مشاہدہ صبح کاذب کے اعلان پر ۱۵ درجے کو تسلیم کرنا موقوف فرمایا، چنانچہ مشاہدت میں دونوں باتوں کی صراحت پائی جاتی ہے۔لہٰذا پروفیسر صاحب کو یہ حقیقت تسلیم کرنا چاہیئے تھا مگر ان کی طرف سے کسی قسم کا جواب اس کے بارے میں نہیں آیا حقیقت پسند حضرات کے لئے اس میں کافی سبق موجود ہے

خلاصہ کلام یہ کہ ۱۸ درجے والی تحقیق تو بزرگوں کی طرف منسوب کی جارہی ہے مگر مذکورہ بالا شواہد سے معلوم ہوا کہ یہ تحقیق بزرگوں کی نہیں بلکہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا بحث سے مصنف کے نکتہ نمبر ۵ کا جواب ہوگیا۔

اشکال : فرماتے ہیں کہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی تھی؟ لہٰذا یہ ختمی تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے قطعاً معتبر نہیں ہے۔

جواب: (۱)

واقعہ یہ ہے کہ اوّل حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے تحقیق کرتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا کہ پرانے نقشوں کے اوقات میں سے صبح صادق کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے اور اسی طرح عشاء کا وقت بھی اسی مقدار میں اختتام شفق ابیض کے بعد دیا گیا ہے۔اس تحقیق کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ۱۱ علماء کرام کی کمیٹی بنائی گئی، جس نے مفتی محمد شفیعؒ کی سرکردگی میں تین دن مشاہدات کئے ،ان بزرگوں نے انہی مشاہدات میں واقعی پرانے نقشوں کے صبح کے وقت میں صبح کاذب کی روشنی دیکھی اور اصل صبح صادق کو اس کے کافی دیر بعد مشاہدہ کی۔ان مشاہدات کی ساری روئداد حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے خود تحریر فرمادی جسے احسن الفتاویٰ میں نقل کیا گیا ہے۔ان مشاہدات کے نتائج اور علمی تحقیق پر فقہی مجالس منعقد کئے گئے ،جس میں علماء کی باقاعدہ بحث وتمحیص

(۱) اس جواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ مصنف کے نکات نمبر ۴، ۳ اور ۲ سب کا جواب ہوجائے گا۔

ہوتی رہی۔ بالآخر مجلس تحقیق نے اکابر حضرات کے زیر دستخطی ایک فیصلہ سنا کر جاری کیا، کہ واقعی پرانے نقشوں میں صبح کا دیا گیا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بزرگوں نے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان فرمایا، اور دوبارہ پرانے (۱۸ درجے پر بنائے گئے) نقشوں کی تصویب فرمائی۔

اکابر حضرات ہمارے بزرگ ہیں ہم ان کی بے احترامی اپنا سوءِ خاتمہ سمجھتے ہیں، اللہ نہ کرے کہ ہم جیسے نالائق اور بے عمل کی زبان وقلم سے ان کے خلاف ایک حرف بھی نکلے۔ مگر یہ ہمیں ان کا سکھایا ہوا سبق ہے کہ ہم ان اسباب و وجوہات کو معلوم کر کے اس پر غور وفکر کرے، کہ وہ کیا راز کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ان حضرات کو اپنے ختمی فیصلے سے رجوع کرنا پڑا؟ مصنف صاحب بعض بزرگوں کی عبارات نقل کر کے یہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ بنیادی باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف)..... بعد میں بزرگوں نے تحقیق فرماتے ہوئے ۱۸، درجے قول کی تصویب کی۔
اس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ درحقیقت وہ بزرگوں کی تحقیق ہی نہیں تھی۔

(ب)....... دوسری بات یہ کہ بزرگوں نے ٹنڈوآدم میں جو مشاہدات کئے تھے وہ سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی، بنابریں ان مشاہدات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ اشکال ہے جس کا یہاں وضاحت پیش خدمت ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ بزرگوں کی اول تحقیق زیادہ قابل اقتداء ہے بنسبت اس رجوع کے جو کسی ماہر فن کی تحقیق پر اعتماد کر کے، کی گئی ہے۔ مذکورہ ذیل وجوہات پر غور کر کے اشکال کا ازالہ نہایت آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے:۔

(۱).....ایک تو یہ کہ یہ سارے مشاہدات خود حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی سرکردگی میں ہوئے ہیں ایسی کوئی بات ہوتی ان کو نقل کرتے وقت ضرور اس بات کی تصریح پائی جاتی۔ حالانکہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔

(۲).....اگر یہ واقعی تحقیقی سلسلہ تھا تو ان مشاہدات کے بعد بقایا سلسلے میں حضرت مفتی رشید احمدؒ کیوں نہیں شریک؟

(۳)......اگر یہ سلسلہ تحقیق کی کڑی تھی تو باقی مشاہدات کب ہوئے ہیں؟ ان میں کون کون شریک تھے؟ پھر جن کی سرکردگی میں یہ سلسلہ مشاہدات شروع ہوا تھا یعنی حضرت مفتی محمد شفیعؒ کیا ان مشاہدات میں حضرت مفتیؒ نے شرکت فرمائی تھی؟

(۴).....اس سلسلہ تحقیق میں ٹنڈو آدم کے مشاہدات کو بھی شریک کئے تھے یا ان کو تحقیقی سلسلہ سے خارج کردئے گئے تھے؟

(۵).....دلائل میں قوی تر دلائل کے ملنے کی وجہ سے بعض کو ترک کئے جاسکتے ہیں یا ان سے رجوع تو معروف ومشہور ہے، مگر جب ایک روشنی ایک کیفیت کے ساتھ علماء کی ایک جماعت نے دیکھی تو اس مشاہدے سے رجوع یا اس کو ترک کرنے کا کیا مطلب؟

(۶)......اگر یہ مشاہدات سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی اور ابھی بات ایک طرف طے نہیں ہوئی تھی تو اس کے باوجود حضرت مفتی شفیعؒ مندرجہ ذیل فتویٰ کیوں صادر فرماتے تھے؟ فتوے کی عبارت کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

> حامداً ومصلیاً اتنی بات تو یقینی ہوگئی ہے کہ نقشوں اور جنتریوں میں جو وقت صبح صادق کا لکھا ہے وہ صبح صادق کا اصلی وقت نہیں ہے بلکہ

غالباً صبح کاذب کا وقت ہے جو انتہاء سحر کے لئے احتیاطاً لکھا گیا ہے

......لہذا نقشوں کے مطابق فوراً اذان دے کر مرد یا عورتوں کا نماز

پڑھنا درست نہیں.......................(احسن الفتاویٰ ج ۲،ص ۱۷۷)

(۷)......اگر آگے تحقیق کا سلسلہ مشاہدات جاری تھا اور ابھی تک طے شدہ کام درمیانی کڑیاں تھی تو کیا ان کڑیوں میں ''مجلس تحقیق'' کا فیصلہ بھی ایک کڑی کہلائے گا؟ جبکہ لکھنے والے خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہیں:

منعقدہ دار العلوم کراچی ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ

''اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹنڈو آدم کا جو سفر کیا گیا تھا اس کے نتائج زیر غور آئے، بحث وتمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں:

☆ مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مروجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی۔

☆ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ جنتریوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت درج لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جو اوقات نکالے ہیں ان کا مقابلہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا فرق صرف ایک منٹ کا تھا۔

☆ بہرکیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جو اوقات نکالے ہیں وہ درست ہیں۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴/ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

اس فیصلے پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے دستخط کئے ہیں:

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ☆ حضرت مفتی رشید احمدؒ

☆ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہیؒ اور ☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔

اب آیئے دوبارہ محترم مصنف کی عبارات پڑھ کر حظہ فرمائے کہ اس میں کتنی صداقت پائی جاتی ہے؟

''اور درمیان میں بعض اہل حضرات کی طرف سے جدید وقدیم اہل فن کے کچھ اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا گیا کہ اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے جس کے بعد اس احتمال کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کاذب وصادق میں فرق

نہ کیا ہو اور کاذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحبؒ کو صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً سحری کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز پندرہ بیس منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا''.....(کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۶۹، ۱۷۰)

''ان تمام اکابر حضرات کی وضاحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب اور حضرت بنوری رحمہما اللہ نے جو رجوع فرمایا، وہ سابق جنتری کے متعلق تردد و تذبذب سے رجوع تھا، ورنہ آپ کا آخری اور حتمی فتویٰ و فیصلہ آپ کے پہلے موقف کے مطابق ہی تھا.......................................(کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۷۷)

مصنف نے کتنی صراحت کے ساتھ (۱۴/ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری کو منعقدہ) دار العلوم کراچی کا متفقہ فیصلہ جس میں ''..**بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں**'' جیسی عبارت لکھی ہے اور اس کے بعد جو باتیں تحریر فرمائی ہیں سب کے سب میں نہایت ہی یقین اور ثبوت پر مبنی دعوے موجود ہیں۔ کیا اس جیسی تحریرات جو اکابر کی کی تحریر کردہ اور دستخط شدہ ہیں ''تذبذب'' قرار دیا جا سکتا ہے، جس سے ایک مجمل رجوع کے اقرار کی وجہ سے رد کر دیا جائے؟ پھر مصنف نے انہی عبارات کو دیکھنے کے باوجود اسے کیوں ''تذبذب'' قرار دے دیا؟ آپ مصنف کی یہ عبارت پڑھ لیجئے گا اور اوپر حضرت محمد تقی عثمانی صاحب کے قلم کا متفقہ فیصلے کے الفاظ ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ کیا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نہیں ہے؟ محترم مصنف آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

''اوران حضرات نے اولاً تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ
کی تحقیق کو حتمی طور پر قبول ہی نہیں کیا تھا ۔لہٰذا درمیانی رائے
احتیاطی تھی، دوسرے وہ مشاہدات وتحقیقات بھی مکمل نہیں تھیں''

مصنف صاحب کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے کہ جب ایک فیصلہ باقاعدہ اور باضابطہ طور پر علماء کی مجلس تحقیق میں زیر بحث لایا جائے اور اس بحث وتمحیص کے بعد مذکورہ بالا عبارت پر اکابر کے دستخط ہوجائیں اوراس کے باوجود اسے ''قبول نہ کرنا'' ہی کہا جاتا رہے تو یہ معما کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔علاوہ ازیں مصنف بزرگوں کی جس رجوع کو ہی اصل قرار دے کر پرانے نقشے کو'' قبول کرنے'' کی زینت بخشنے کی کوشش فرمارہے ہیں، کیا اس دعوے پر اس قسم کی تحریر جس میں کسی مجلس تحقیق کی تفصیلی روئیداد اور متفقہ فیصلے کی صورت میں زیر دستخطی موقف موجود ہو، مصنف پیش فرما سکتے ہیں ، جسے ''قبول کرنا'' کہا جاسکے؟

کیا مذکورہ بالا شواہد کو پڑھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ابھی سلسلہ تحقیق پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بزرگوں کو کسی نے محض اپنی تحقیق سے باور کرایا تھا؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ صرف شک وتردد کی بنیاد پر محض احتیاطاً ۱۵ درجے کا فتویٰ دیا گیا تھا؟ کیا بالکل یقین کے ساتھ پرانے نقشوں کے صبح صادق کے اوقات کو ٹنڈو آدم ہی کے مشاہدات کی بنا پر صراحت کے ساتھ صبح کاذب نہیں قرار دیا گیا ہے؟ جو حضرات اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بزروگوں سے فتوے باور کرا کر دلایا گیا تھا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ مذکورہ بالا سوالات کا واضح طور پر جوابات ارشاد فرمائیں۔

اختلاف کس چیز میں ہے؟

محترم مصنف نے جس انداز سے طرز کلام کو زور دیا ہوا ہے، اس سے دو باتوں کا اندازہ ہو رہا ہے۔ اول یہ کہ مصنف کو اصل حقیقت کا نہیں پتہ کہ اختلاف کس چیز میں ہے ہم کس چیز کے انکار پر مصر ہیں؟ اور یا یہ کہ مصنف جان بوجھ کر ایسی باتیں تحریر فرماتے ہیں جس سے لوگوں پر اصل حقیقت مشتبہ ہو سکے۔ مؤخر الذکر کی توقع اہل علم سے قطعاً نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی بات (یعنی عدم علم) ممکن ہے۔

بات یہ ہے کہ اکابر کے اختلاف کے حوالے سے متنازع فیہ امر یہ ہے کہ اکابر نے جن وجوہات اور بنیادوں کو مدنظر رکھ کر رجوع فرمایا ہے دراصل ان میں کلام ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکابر نے رجوع فرمایا ہے یا نہیں؟ محترم مصنف نے جتنی بھی عبارات حوالہ کے طور پر نقل فرمائی ہیں ان سب کا تعلق اس دوسرے امر کے ساتھ ہے، یعنی اس سے زیادہ سے زیادہ اکابر کی رجوع کا ثبوت مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ اب یہ بات کہ رجوع کیوں فرمایا ہے اس کی بنادیں کیا ہیں؟ ایسی صورت حال میں ہمارے اوپر اس کا قبول کرنا لازم ہے یا تحقیق کی بھی گنجائش باقی ہے؟ پس جو شخص اس بات کا دعویدار ہو کہ ان کی رجوع کی بنیاد بالکل مضبوط تھی بنسبت اس تحقیق کی جو کہ پہلی ہوئی تھی۔ تو اس پر صرف اکابر کی رجوع پر مشتمل تحریریں نہیں بلکہ ایسے شواہد پیش کرنے پڑیں گے جو ہر اعتبار سے مرجوع عنہ کے شواہد سے مضبوط تر ہوں۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق اول میں بزرگ اکابر حضرات مشاہدات میں خود شریک ہوئے تھے، انہوں نے اسی سلسلے میں مختلف فقہی مجالس منعقد کی، ان مجالس میں اس مسئلے

پر بحث وتمحیص بھی ہوئی، علاوہ ازیں ان حضرات کے ذہن اس وقت فنی پیچیدگیوں سے بالکل پاک وصاف تھے چنانچہ ان کی بحث وتمحیص یقیناً شرعی اصولوں کے تحت ہوگی۔ بالآخر ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ کو آخری مجلس کا انعقاد ہوا اور اس کے اندر جس انداز میں فیصلہ سنایا گیا اس کی قوت وتیقن اور صحت پر اس تحریر کا ایک ایک حرف گواہی دینے کے لئے پکار رہا ہے، جسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بقلم خود تحریر فرمائے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم رجوع کے اعلان کے بعد دیکھتے ہیں تو محسوس ایسا ہوتا ہے جیسا کہ اکابر ابھی سائیڈ پر ہوگئے ہیں۔ کیونکہ ہمیں نہ اسی طرح مشاہدات میں اکابر نظر آتے ہیں، نہ کوئی فقہی مجلس ریکارڈ پر ہے، نہ کوئی اجتماعی اور اکابر کے زیر دستخطی تحریر دکھائی دے رہی ہے۔ اگر نظر آتا ہے تو وہ رجوع کا ثبوت ہی تو ہے۔ یا اگر کچھ ملتا ہے تو اہل فن ہی کے اقوال ملتے ہیں۔ ایسی صورت حال کو سامنے رکھ کر بزرگوں کی رجوع کو مجمل اور مبہم نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟ لہٰذا مصنف کا اظہار تعجب بذات خود تعجب ہے کہ انہی حقائق کے ہوتے ہوئے بھی وہ صورت حال کا صحیح نقشہ نہ کھینچ سکے، تحریر فرماتے ہیں: ’’لہٰذا احسن الفتاویٰ میں مذکور یہ سخت فیصلہ قابل اطمینان نہ ہوسکا، بلکہ باعث تعجب ہے‘‘ .... (کتاب مذکور: ص ۱۷۷، حاشیئے کا آخری سطر)

حقیقت کیا ہے؟

دراصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے سے ہی یہاں پاکستان میں اوقات صلوٰۃ کے پرانے نقشے استعمال ہوا کرتے تھے۔ عمومی طور حضرات اکابر نے کوئی خاص ضرورت اس کے پرکھنے کی محسوس نہیں فرمائی بلکہ ایک آدھ وقت کا مشاہدہ کرکے باقی کی صحت پر اعتماد حاصل

کر لیتے۔ مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

> ۱۳۶۸ھ اور ۱۹۴۸ء میں جب احقر پاکستان کراچی میں آ کر مقیم ہوا تو یہاں کی عام مساجد وغیرہ میں اوقات ایک جنتری طبع کردہ حضرت حاجی وجیہ الدین صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ آویزاں دیکھی اور بہت سے قابل اعتماد حضرات سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس جنتری کے طلوع وغروب کو مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں جانچا ہے، اور صحیح پایا ہے، خود بھی جب کبھی جانچنے کا موقع ملا تو اس کے طلوع وغروب کو صحیح پایا، اس لئے دوسرے اوقات کے معاملہ میں بھی اسی پر اعتماد کیا گیا، ....(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۹۱)

پھر تقریباً ۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ کی تحقیق سامنے آ کر صبح صادق اور عشاء کے اوقات میں کافی سارا فرق نکل آیا جس کی وجہ سے ماحول میں کافی ساری بے چینی پھیل گئی۔ اسی بے چینی کی وجہ سے حضرات اکابر، جن کے سرپرست حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تھے، نے اسی تحقیق کی جانچ پڑتال کر کے مجلس تحقیق کے وساطت سے ۱۳۹۲ھ میں یہی فیصلہ فرمایا۔ جس کی عبارت اوپر آپ پڑھ آئے۔ شروع سے لے کر یہاں مجلس تحقیق کے فیصلے تک ساری تحقیق کی کارروائی ریکارڈ پر ہے اور اس کی سرپرستی باضابطہ طور پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے فرمائی، مشاہدات بھی بزرگوں کی سرکردگی اور ان کی موجودگی میں ہوئے اور اجلاس کی روئیداد و کارروائی پھر ان تحقیقی مراحل طے کرنے کے بعد مجلس تحقیق کا انعقاد و انتظام، اس کے اندر اس موضوع پر بحث و تمحیص

وغیرہ یہ تمام امور انہی بزرگوں کی زیر سرپرستی طے ہوگئے اور بالآخر اکابر کے زیر دستخط اجتماعی فیصلے کی تحریر وضبط حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ہی قلم سے وجود میں آکر باقاعدہ طور پر جاری ہوا، کہ پرانے نقشوں میں صبح صادق کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے اور صحیح صبح صادق کا وقت اس کے تقریباً ۱۵، ۲۰ منٹ بعد داخل ہوتا ہے جو مفتی رشید احمد صاحب کے نقشے کے بالکل مطابق ہیں، اور اسی سے گزشتہ جو تزبزب پیدا ہوگیا تھا وہ ختم ہوگیا۔

اس کے تقریباً ایک سال بعد ۱۳۹۳ھ میں دوبارا یہ مسئلہ کھڑا ہوتا ہے اور اس پر تحقیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے بالآخر بزرگوں کی رائے دوبارہ پہلی تحقیق کے برعکس پرانی تحقیق پر آکر رجوع کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

دونوں میں فرق:

مگر اس تحقیق اور پہلی تحقیق میں نمایاں فرق جو سامنے ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱)..... پہلے سرپرستی حضرات اکابر کرتے تھے اور اب اول تو یہ کہ کوئی نہیں معلوم اور اگر معلوم ہے تو محترم پروفیسر عبداللطیف صاحب ہیں۔

(۲)...... پہلی تحقیق میں بزرگوں ہی کی رکردگی میں مشاہدات کا سلسلہ چلا تھا جبکہ دوسری تحقیق میں سرے سے بزرگوں کی شرکت ہی نظر نہیں آتی۔

(۳)....پہلی تحقیق کا فیصلہ باضابطہ طور پر مجلس تحقیق کے سامنے پیش ہوکر متفقہ طور پر زیر دستخط جاری ہوا جبکہ دوسری تحقیق کے لئے کوئی ایسا انتظام ہمارے علم میں نہیں۔

(۴).....یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اسلامی محقق کے لئے دیگر علوم وفنون کے عربی

زبان اور فقہ اسلامی میں مہارت وعبور ضروری ہوتا ہے، چناچہ:

(۵)..... پہلی تحقیق کے محقق فقیہ العصر، مرشد العلماء اور ماہر فن فلکیات حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ہیں جبکہ دوسری تحقیق کے محقق جناب محترم پروفیسر عبداللطیف صاحب ہیں۔ جن کے لئے عربی عبارات کے تراجم حضرت مفتی رضاء الحق صاحب نے کئے ہیں۔

(٦)..... پہلی تحقیق جس علم کی روشنی میں پایہ تکمیل تک پہنچی تھی وہ حضرات اکابر کے پاس بدرجہ اعلیٰ موجود تھا جبکہ دوسری تحقیق کی بنیاد میں جس علم سے کام لیا گیا ہے، بقول سرپرست تحقیق محترم پروفیسر صاحب اس سے حضرات اکابر سارے ناشنا تھے۔

اب آپ خود سوچ کر فرمائیے کہ پہلی تحقیق ومشاہدات کو سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی کہا جائے یا دونوں مستقل تحقیق قرار دینا چاہیئے؟ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ پہلی تحقیق درمیانی کڑی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل اور فیصلہ شدہ نتائج پر مشتمل تحقیق ہے اور دوسری کی بنسبت زیادہ قابل اقتداء ہے۔

علاوہ ازیں فاضل مصنف نے علماء کرام کے قلم سے جتنے بھی تائیدی اقوال اور رائے نقل کی ہیں وہ اس دوسری تحقیق کے ساتھ متعلق ہوکر بزرگوں کی تقلید میں وارد ہوئے ہیں۔ ایسی صورتحال میں جب اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے تو بزرگوں کا احترام سرآنکھوں پر کرتے ہوئے مسئلے کا ازسرنو تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لینا چاہیئے۔

اظہار حق اور اکابر کا احترام:۔

کوئی کوتاہ فہم مذکورہ بالا بحث سے یہ مراد نہ سمجھے کہ راقم کے نزدیک معاذ اللہ وہ

بزرگ اکابر قابل احترام نہیں ہیں یا ان بزرگوں نے (معاذ اللہ) جان بوجھ کر جھوٹی تصدیق وتائید فرمائی تھی دراصل کسی بھی علمی شخصیت کا مکمل احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کیساتھ دلیل پر مبنی علمی اختلاف کو آج تک کسی عالم ربانی نے ناجائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ خود ان بزرگوں کے عمل سے یہ بات ہم طالب علموں نے سیکھی ہے کہ اکابر کا احترام کرتے ہوئے بعض اوقات اظہار حق ضروری ہو جاتا ہے۔ اکابر کے احترام اور اظہار حق کی کی ایک مثال آپ فتاویٰ عثمانیہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے رمضان میں نوافل کی جماعت کو قیام اللیل کے زمرے میں داخل کر کے جائز قرار دیا تھا۔مگر اسی کے جواب میں اس کے برعکس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، جو اس وقت دورہ حدیث میں داخلہ لینے والے تھے، نے مطلقاً مکروہ قرادے دیا جس کی تصویب حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے فرما کر مستفتی کو ارسال کر دیا گیا۔اور ازالہ شبہ کی خاطر اکابر کے احترام کے عنوان کے تحت یہ وضاحت فرمائی کہ یہ طریقہ کار اکابر کے احترام کے نہ صرف یہ کہ منافی نہیں بلکہ یہ عین ان کی تعلیم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب ایک دعویٰ کے اثبات میں اکابر کی تحقیق کارفرما ہی نہ ہو بلکہ ایک ماہر فن فلکیات کی تحقیق پر محض ان بزرگوں کی تائید وتصویب کی بنا پر عمل عام ہو جائے تو اسکو جمہور علماء کی تحقیق یا اسکو اکابر کی تحقیق قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔یعنی محض ظاہری طور پر عمومی قبولیت استدلال کے باب میں مفید نہیں ہے۔

(واللہ اعلم)

حصّہ چہارم

۱۸ درجے پر صبح کاذب اور ۱۵ درجے پر صبح صادق کے قائلین

اور جمہور کی علمی اور تحقیقی آراء

محترم مصنف نے ان صفحات میں ان بزرگوں کی عبارات نقل کرتے ہوئے اس وسیع میدان سے نہایت مختصر الفاظ میں نکلنے کی کوشش فرمائی ہے۔ کہیں پر لکھا ہے کہ چونکہ اس عبارت میں ''مطلق فجر'' کے الفاظ وارد ہیں لہٰذا یہ عبارت ۱۸ درجے پر صبح کاذب کی بجائے صبح صادق کی تائید کر رہی ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ غلطی سے لفظ کاذب لکھتے ہوئے کتابت کی غلطی ہے۔ کہیں لکھتے ہیں کہ یہ سارے اقوال مرجوح ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے پچھلے صفحات میں ان تمام عبارات کی توضیح عرض کر دی جس میں یہ بات سامنے آ گئی کہ مصنف نے جتنے بھی حوالجات نقل کئے تھے ان میں سے کوئی بھی کلام وتنقید سے محفوظ نہ رہ سکا، چہ جائیکہ ان سے کوئی دعویٰ ثابت کیا جا سکے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں بھی ہم ان تمام عبارات کو مع مصنف کے مختصر کلام کے پیش کر کے اپنا تبصرہ قارئین کی خدمت میں عرض کریں گے، علاوہ ازیں چونکہ یہاں عنوان ہی قائلین ۱۵ درجے پر صبح صادق کا درج کیا گیا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ حوالجات جس کا تذکرہ محترم مصنف سے رہ گیا ہے، وہ بھی کسی درجہ میں ذکر کیا جائے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ علماء جنہوں نے علم شریعت کیساتھ ساتھ فن ہیئت میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ آج کے محققین فن فلکیات میں ریسرچ کرتے ہوئے پتہ نہیں کیا ڈھونڈتے پھرتے ہیں، ان بزرگوں نے تو یہ فن حاصل اس مقصد کیلئے کیا تھا کہ اس کے

تعاون سے شرعی احکام کی تشریح کر سکے۔اور باقاعدہ اس فن میں تصنیفات تحریر کرتے ہوئے مستقل طور پر اسلامی نصابِ تعلیم کا حصہ قرار دے دیا اور آج تک مدارس دینیہ میں ان کتب کی پڑھائی ہوتی رہتی ہے۔لہٰذا یہاں آ کر ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ان علماء ماہرین فن نے صبح صادق اور کاذب کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے۔

(۱) التصریح کے ’’ فصل خامس فی الصبح و الشفق ‘‘میں تفصیلی بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اذ قد علم بالتجربةان انحطاط الشمس اول الصبح الكاذب و آخر الشفق ثمانية عشر درجة..(التصریح صفحہ ٦٨)

ترجمہ : یہ بات تحقیق کیساتھ تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ اول صبح کاذب کے ظہور اور شفق ثانی کے غیوب کے وقت آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے ہوتا ہے۔

(۲) پھر محشی علیہ الرحمۃ اس کے حاشئے پر تحریر فرماتے ہیں:

ان انحطاط الشمس من الافق عند اول طلوع الصبح وهو البياض المستطيل المسمى بالكاذب و آخر غروب الشمس وهو البياض المستدق المستطيل ....الى ان قال.. يكون ثمانية عشر جزء من دائرة الارتفاع (ايضاً)

ترجمہ: یقیناً افق سے سورج کا جھکاؤ اول صبح کے وقت جو کہ سفید مستطیل روشنی ہو کر کاذب کہلاتی ہے،اور غروب شمس کے بعد آخر

شفق جو بیاض مستطیل ہوتی ہے........۱۸درجے پر ہوتا ہے۔

(۳) شرح الچغمینی میں صفحہ نمبر۱۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

" وقد عرف بالتجر بة ان او ل الصبح و آخر الشفق انما یکون اذاکان انحطاط الشمس ثمانیة عشر جزء .ففی بلد یکون عرضه اقل من تمام المیل بثمانیة عشر جزءاً یتصل الشفق بالصبح الکاذب اذا کانت الشمس فی المنقلب الصیفی(۱)

ترجمہ: اور تحقیقاً تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اول صبح اور آخر شفق اس وقت ہوتے ہیں جب آفتاب ۱۸درجے افق سے نیچے ہو۔پس جس شہر کا عرض بلد تمام المیل سے ۱۸درجے کم ہوگا(جوکہ ۴۸عرض البلد بنتا ہے)وہاں انقلاب صیفی (۲۲جون) کے وقت شفق صبح کاذب سے مل جائے گی۔

(۴) اسی عبارت کے حاشیہ نمبر۹ پر مولانا محمد عبدالحلیمؒ تحریر فرماتے ہیں :

<u>ثمانیة عشر جزءً</u> هذا هو المشهور ووقع فی بعض کتب ابی ریحان انه سبعة عشرجزء وقیل انه تسعة عشر جزء <u>وهذا فی ابتداء الصبح الکاذب</u>.......(شرح چغمینی ص۱۲۲،حاشیہ ۹)

---

(۱) شرح چغمینی ص۱۲۲،مکتبہ اسلامیہ،کوئٹہ علاوہ ازیں شرح چغمینی کے حوالے پر تفصیلی کلام پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے،وہاں ملاحظہ فرمالیجئے گا۔

ترجمہ : ۱۸ درجے والی بات مشہور ہے اگرچہ ابی ریحان کی بعض کتب میں یہ مقدار ۱۷ بھی منقول ہے اور کسی نے تو ۱۹ درجے والے قول بھی لیا ہے۔ اور یہ ساری اختلافی بحث صبح کاذب سے متعلق ہے۔

(۵) مالا بدمنہ کے فارسی حاشیہ میں لکھتے ہیں:

بدانکہ صبح دو باشد یک کاذب کہ ہنگام انحطاط بر ہیژ دہ درجہ از درجات دائرہ ارتفاع مارۃ بمرکز شمس سفیدی ضعیف ودراز وباریک براجزاء کثیفہ سطح مخروط ظل زمین مسمی بلیل نمودارشود واورا کاذب ازیں جہت گویند کہ افق تکذیبش می کنند کہ دراں حال مظلم باشد....الی قولہ........ ... ودوم صبح صادق وآں روشنی نہار درافق شرقی باشد ھنگام انحاط آفتاب پانزدہ درجہ قالہ البرجندی۔

(حاشیہ مالا بدمنہ، ص۲۹، بحوالہ احسن الفتاویٰ ج۲، ص۱۶۶)

ترجمہ: خبردار صبح دو ہیں (ایک) کاذب کہ اس وقت سورج دائرہ ارتفاع سے ۱۸ درجے نیچے ہوتا ہے..........دوم صبح صادق ہے اور یہ افق شرقی پر دن کی روشنی کا نام ہے جس وقت سورج ۱۵ درجے نیچے ہوتا ہے اور یہی بات علامہ برجندیؒ نے فرمائی ہے۔

(٦) بیست باب کے حاشئے میں شارح علم ہیئت مولانا محمد عبید اللہ الایوبی الکندھاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

اقـول قـد عـلـمـت مـن بيـان المصنف رحمہ اللہ فی هذا الباب ان المـقـدار الـفـاصل بين طلوع الـصبـح الكاذب وطـلـوع الشمس ۱۸ درجة....... (بست باب للطوسی صفحہ نمبر ۱۶ حاشیہ ۳)

میں مصنف رحمہ اللہ (محقق طوسی) کے بیان سے یہ حقیقت سمجھا ہوں کہ صبح کاذب اور طلوع آفتاب کے درمیان ۱۸ درجے کا فرق ہوتا ہے۔

(۷) اسی طرح حاشیہ نمبر ا میں تحریر ہے:

انه قد علم بالتجربة ان اول الصبح الكاذب انما يكون اذا كان انحطاط الشمس من الافق الشرقی ثمانية عشر جزء "

.........................(بست باب للطوسی رحمہ اللہ صفحہ نمبر ۱۶ حاشیہ ا)

تجربے سے ثابت ہے کہ صبح کاذب کے وقت سورج افق شرقی سے ۱۸ درجے نیچے ہوتا ہے۔

(۸) معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں:

" قـولـه : وان اول وقـت الفجر حين يطلع الفجر۔ذكر علماء الهيئة الـريـاضية ان الصبح الكاذب يطلع حين كان انحطاط الشـمـس ثـمـانـی عشـرة درجة ،والصادق حين كان خمس عشـرة درجة.قـال الشيـخ عـلـی الداغستانی:ان التفاوت بين الـفـجـريـنو كذا بين الشفقين الاحمر والابيض انماهو بثلاث درج الـخ۔حكاه ابن عابدين الشامی فی "شرح الدرالمختار"

وقد ذكر صاحب "التصريح"فی الفصل الخامس وشارح الملخص"الصغمينی" (۱) فی الباب الثالث من المقالة الثانية :انه وقال فی الشرح : و قدعرف بالتجربة ان اول الصبح وآخر الشفق انما يكون اذا كان انحطاط الشمس،ای من الافق، ثمانية عشر جزأ "..(معارف السنن ج ۲، ص ۳۰)

ترجمہ:

فجر کا اول وقت جب کہ فجر طلوع ہو جائے ،(کے ذیل میں لکھتے ہیں) علماء ہیئت وریاضی دانوں نے ذکر کیا ہے کہ صبح کاذب اس وقت طلوع ہوتی ہے جبکہ سورج ۱۸ درجے زیر افق ہو،اور صبح صادق اس وقت جبکہ سورج ۱۵ درجے زیر افق ہو۔شیخ داغستانی نے فرمایا ہے کہ صبح کاذب اور صادق کے درمیان تفاوت تین درجے ہوتا ہے جیسا کہ شفق احمر اورشفق ابیض کے درمیان ہوتا ہے۔اسی کو ابن عابدین شامیؒ نے بھی درمختار کی شرح میں نقل فرمایا ہے۔اور صاحب ''التصریح'' نے فصل خامس میں اورشارح چغمینی نے مقالہ دوم کے باب نمبر۳ کہ تحقیقاً تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اول صبح اور آخر شفق اس وقت ہوتے ہیں جب آفتاب ۱۸ درجے افق سے نیچے ہو۔

معارف السنن میں اس بحث کو مزید بڑھا دی گئی ہے مگر اس میں علامہ الہیثمی اور مفسر علامہ

(۱) شائد کتابت کی غلطی کی وجہ سے "الصغمینی "لکھا گیا ہو، غالباً اس سے مراد"الچغمینی "ہے۔

روح المعانی کے اختلافات کا تذکرہ ہے جس کے بارے میں تفصیلی کلام اسی حصہ دو میں گزر چکا ہے۔ بہرحال حضرت علامہ نے اپنی بات اوپر تحریر فرمادی۔

(۹) اعلاء السنن میں علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

وقال فی الشرح : و قدعرف بالتجربة ان اول الصبح وآخر الشفق انما یکون اذا کان انحطاط الشمس،ای من الافق، ثمانیة عشر جزأ ' قال المحشی : "ھذا ھو المشھور ،ووقع فی کتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزأ ،وقیل:انه تسعة عشر جزأ،وھذا فی ابتداء الصبح الکاذب "

..........................(اعلاء السنن ج۲،ص۱۵)

ترجمہ : اورشرح (چغمینی) میں ہے : تحقیقاً تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اول صبح اور آخر شفق اس وقت ہوتے ہیں جب آفتاب ۱۸ درجے افق سے نیچے ہو۔اس پر محشی نے لکھا ہے یہ (۱۸ درجے والاقول)مشہور ہے اگرچہ ابی ریحان کی بعض کتب میں یہ مقدار ۱۷ بھی منقول ہے اور کسی نے تو ۱۹ درجے والے قول بھی لیا ہے۔اور یہ (۱۸، ۱۷اور ۱۹درجے کے اقوال) صبح کاذب کی ابتداء سے متعلق ہے.

فائدہ:

ماہرین فن علماء مسلمین کی اتنی کثیر تعداد کے باوجود محترم مصنف ہر مقام پہ تاویلیں فرماتے رہتے ہیں۔کسی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ ان کا تفرد ہے،کبھی فرماتے ہیں

ممکن ہے غلطی کی وجہ سے صبح کے ساتھ ''کاذب'' کا اضافہ ہوگیا ہو حالانکہ یہ بات کس پر مخفی ہے کہ صرف لفظ کے اضافے کی غلطی تو ممکن ہے مگر اس کے سیاق وسباق سے اگر یہی بات پھوٹ رہی ہو کہ ان بزرگوں نے ۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی کو صبح کاذب سمجھ کر ہی ''کاذب'' تحریر فرمایا ہے، تو پھر اس کو غلطی قرار دینا بجائے خود غلطی کہلائے گی۔ یہ وضاحت حصہ دوم میں شرح چغمینی کی عبارت پر تبصرے کے ضمن میں مفصل گزر چکی ہے۔ کبھی تحریر فرماتے ہیں کہ بعد میں محشی حضرات نے پہلے والے کی متابعت کی ہے حالانکہ یہ بات ان کی دیانت کے خلاف ہے جبکہ انہوں نے بارہا ذقد علم،قد بالتجربة ،وھذا ھو المشھور جیسے الفاظ بھی تحریر فرمائے ہوں۔

اس باب میں اگر متابعت کی بات کی جاسکتی ہے تو وہ خود ۱۸ درجے کے قائلین کے بارے میں ہی زیادہ مناسب ہے کہ ان حضرات کی ساری تحقیق کا منبع ہی اہل مغرب کے سائنسدان ہیں، اور انہی پر اعتماد کر کے صبح کاذب کو صبح صادق کہنے لگے ہیں۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوریٰ، جمبوسر (برطانیہ) اپنی تصنیف '' برطانیہ واعلیٰ عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق'' میں صفحہ نمبر ۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

> ''صبح شام ان تینوں شفقوں کی ابتداء و انتہاء کے وقت آسمان پر روشنی کی کیا کیفیت ہوتی ہے، اس کی تشریح رائل گرین وچ آبزرویٹری کی سائنس ریسرچ کونسل نے اپنی آسٹرونومیکل انفار

میشن شیٹ نمبر سات میں جو کی ہے وہ درج ذیل ہے........"(۱)

اس کے بعد ان کی ساری تفصیلات ذکر کے مصنف نے آسٹرونومیکل ٹویلائٹ کو صبح صادق قرار دیا ہے.

(۲) اسی طرح صفحہ نمبر۲۲۳ پر اردن کے کلیۃ الشریعہ کے ڈاکٹر ابراہیم الکیلانی صاحب کی عبارت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

"ومن هذه المعلومات المستفادة من الانسا كلو بيد يا البريطانيه والامريكيه وتحديد درجة واحدة هى درجة ١٨ لبداية الضوء فى مطلع النهار ولغيا .(٢)

ترجمہ: اور یہ معلومات کہ دن کی روشنی کی ابتداء اور انتہاء سورج کے 18 درجے زیر افق سے ہوتی ہے، انسا ئیکلو پیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف امریکہ سے ماخوذ ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ خود ۱۸ درجے والوں کی تحقیقات کی بنیادیں کیسے اہل مغرب کے ماہرین فن کی مطابعت میں مضبوط ہو رہی ہیں۔جبکہ ۱۸ پر صبح کاذب اور ۱۵ پر صبح صادق کہنے والوں کا شمار اگر ایک طرف فن ہیئت کے شناساؤں میں سے ہیں تو دوسری طرف وہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے سمندر کے شناور بھی کہلاتے ہیں۔لہٰذا ان ہستیوں کے اقوال وتحقیقات کی ایسی تاویلات بعیدہ کا ارتکاب کرنا نہ صرف یہ کہ حقیقت کے

(۱) برطانیہ واعلیٰ عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق" میں صفحہ نمبر۴۲، مولانا محمد یعقوب اسماعیل قاسمی

(۲) ایضاً ص۲۲۳

انکار کے مترادف ہے بلکہ ان کی دیانت کے بھی خلاف ہے۔

دونوں میں فرق:

آج کے جدید اور سائنسی دور کے ماہرین بھی علم الفلکیات پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جبکہ علماء اسلام بھی فن ہیئت سیکھتے چلے آرہے ہیں۔کوئی بتا سکتا ہے کہ دونوں گروہوں میں کیا فرق ہے؟ دور جدید کے ماہرین کا مطمع نظر صرف اور صرف مادہ ہے یعنی ان کی تحقیقات کی پشت پر مادہ پرستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے وہ کائنات کے اصولوں کا کھوج لگا کر ان کی روشنی میں قواعد وضوابط منضبط کرتے ہیں جسکے نتیجے میں سائنسی انکشافات کا ظہور ہو کر ان کے لئے تعیش کا سامان بن جاتا ہے۔جبکہ علماء اسلام کے سامنے وہ تمام آیات بینات ہیں جن میں کائنات ومافیہا اور اس میں دن رات تغیرات وواقعات کو عقیدہ توحید کے اثبات میں دلائل وشواہد کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔وہ اس علم کے زریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت اور اس کے قوت وجلال کے مظہر کے طور پر غور وفکر میں گم ہوجاتے ہیں۔اس کے علاوہ علماء کرام کے لئے اس علم کے حصول اور اس میں تحقیق کا باعث احکام شریعت کا نہایت اہم حصے کی حفاظت ہے جو کسی نہ کسی طور پر اس کائنات میں روز وقوع پذیر تبدیلیوں کے ساتھ متعلق ہیں،مثلا نماز کے اوقات،رمضان ،حج وغیرہ کے مہینوں کی معرفت۔

اب دونوں گروہ کے نصب العین کو ایک نظر دیکھئے پھر فرمائیے کہ زیر بحث موضوع یعنی صبح صادق اور کاذب کے معاملے میں کس گروہ کے قول پر عمل کرنا اقرب الیٰ الصواب ہے؟

اشکال:

اگر یہ کہا جائے کہ مشاہدہ کر کے دیکھا جائے اس وقت روشنی مستطیل نہیں ہوتی بلکہ مستطیر ہوتی ہے۔لہٰذا۱۸ادرجے پرظاہر ہونے والی روشنی صبح صادق ہی ہے۔

جواب:

یہ ہے کہ یہ ویسے تک والی یا محض کتابی اوراق تک محدود بات نہیں ہے بلکہ جن بزرگوں نے اس وقت ظاہر روشنی کو صبح کاذب قرار دی ہے انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہمارا یہ فیصلہ مسلسل تجربات کے بعد کیا گیا ہے۔ **انہ قد علم بالتجربة ، وقد عرف بالتجر بة ، اذ قد علم بالتجربة** کے الفاظ تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ اب ہمارے لئے وہ تجربات زیادہ قابل اقتداء ہیں جو اکابر نے کئے تھے۔جن کی مزید تائید مندرجہ ذیل حقائق سے ہورہی ہے:

(۱) احسن الفتاویٰ کے مشاہدات جو کہ براہ راست حضرات اکابر نے کئے تھے۔اس کی تفصیل حصہ چہارم میں ان شاءاللہ آرہی ہے۔

(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب (جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ،نوشہرہ،سرحد) بھی فتاویٰ فریدیہ ج ۲ ص ۱۵۱ تحریر فرماتے ہیں:

''محکمہ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے خلاف ہے''........(فتاویٰ فریدیہ ج۲ص۱۵۱)

آگے ص۱۵۳پر لکھتے ہیں:

''ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵*۴=۶۰ منٹ

ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور
صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں ہے ہمارے علاقہ
میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں میں چار بج کر
پچپیس منٹ بعد نکلتی ہے۔'' .... (ایضاً ج۲،ص:۱۵۳)

(۳) ہمارے ایک رشتہ دار جناب حضرت فضل وہاب صاحب جو تقویٰ اور احتیاط میں علاقہ میں معروف و مشہور ہیں۔ راقم بذات خود کئی دفعہ (اصلاحی تعلق کی بنیاد پر) حضرت صاحب کیساتھ باوجود دوسرے محلے کے اعتکاف میں شریک ہوتا رہا۔ سحری اور صبح صادق کے تعین کا دارومدار ان حضرات کے نزدیک مشاہدے پر تھا۔ کیونکہ حضرت مغرب کی جانب دور کھیتی باڑی کرتے ہوئے آبپاشی کیلئے اکثر اوقات رات کے وقت جایا کرتے تھے۔ اسلئے ان کو مشاہدہ کا موقع نہایت آسانی کیساتھ میسر آتا تھا۔ لہٰذا اکثر اوقات ایسا ہوا کہ پرانے نقشے کی بنیاد پر اردگرد مساجد میں صبح کی اذانیں ہو رہی تھی اور ادھر ہم ابھی سحری کھا رہے ہوتے تھے۔ فقیر کے ایک سوال پر فرمایا کہ ہم نے کئی دفعہ صبح صادق کا مشاہدہ کافی تاخیر سے طلوع ہوتے ہوئے کیا ہے۔

(۴) بالکل صوابی شہر کے مرکزی جامع مسجد صوابی اڈہ کے پیش امام اور خطیب مولانا گل رحیم صاحب (جن کے سرکاری سطح پر میراث وطلاق وغیرہ کے فتوے عدالتی فیصلوں میں پیش کئے جاتے ہیں) علی الاعلان (پرانے) نقشوں کی مخالفت پر مصر تھے اور اس مخالفت میں اتنے متشدد ہو گئے تھے کہ ایک ملاقات پر انہوں نے اوقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ''کہ بھئی میں تو نقشہ نہ پرانا مانتا ہوں اور نہ نیا۔ نیا نقشہ تو

میں نے خیر دیکھا نہیں کہ اس کے اوقات کیا ہیں، مگر پرانا نقشہ جو عام مساجد میں استعمال کیا جا رہا ہے، فجر اور عشاء کے اوقات کے حوالے سے تقریباً ۲۰ منٹ کے حساب سے غلط ہے''

(۵) ہم نے بھی الحمدللہ احباب سمیت بیسوں مشاہدات کر کے حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں پایا کہ اس وقت ر(۱۸ درجے پر) وشنی مستطیل ہی ہوتی ہے کوئی مستطیر نہیں ہوتی۔

خلاصہ جواب یہ کہ مذکورہ بالا شواہد سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی، کہ مشاہدے کے حوالے سے بھی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے کہ ۱۸ درجے کے وقت روشنی مستطیر ہوتی ہے بلکہ متقدمین ماہرین فن، علماء اور مفتیان حضرات کے مسلسل تجربات اس پر شاہد ہیں کہ اس وقت ظاہر ہونے والی روشنی بالکل مستطیل ہوتی ہے اور یہی صبح کاذب ہے۔

علماء عرب کی تحقیقات وآراء

ذیل میں عرب شیوخ کی آراء اور تحقیقات پیش کیے جا رہے ہیں، حتی کہ ''صبح صادق'' ہی کے قضیئے کو حل کرنے کیلئے اسی موضوع پر مستقل کانفرنس اور فقہی مجالس منعقد کی گئیں، جن کے تحت رؤیت اور مشاہدات کیلئے عرب کے صحراؤں میں مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ مجلس نے اپنا یہ سلسلہ پورے سال پر مشتمل رکھا، جس کے نتائج کو اکھٹا کر کے خلاصہ یہ نکل آیا کہ پرانے نقشے (تقاویم) جن میں ''تقویم ام القری'' بھی شامل

ہے، اصل شرعی ''صبح صادق'' سے 15 منٹ سے لیکر 25,23 منٹ تاخیر سے طلوع ہوتی ہے۔ جس کا فنی اعتبار سے زیر افق درجات 14.6 تا 15 ہیں یعنی سورج کے 15 درجے زیر افق کے بعد صبح صادق طلوع ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ ذیل میں عرب محققین ومشائخ کی تحقیقی آراء اور اسی موضوع پر منعقد ایک ''فقہی مجلس'' کی مختصر روئیداد نقل کررہے ہیں:

﴿1﴾ الشیخ د. سعد بن ترکی الخثلان:

الشیخ الخثلان سے ''مکہ مکرمہ'' میں رائج اوقات نماز کے نقشے کے بارے میں استفتاء کیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں شیخ خثلان نے جوابی طور پر ایک مفصل فتویٰ بعنوان " **خطأ اکثر التقاویم لوقت صلاة الفجر** " لکھا ہے، جس سے قارئین کے استفادہ کے لئے ضروری اقتباسات نقل کئے جارہے ہیں:

" معظم التقاویم فی العالم الاسلامی و منها تقویم ام القری یو جد لدیها اشکالیة فی تحدید دخول وقت صلاة الفجر اذ، انها تعتبر الشفق الفلکی بدایة لوقت الفجر، و الشفق الفلکی هو الفجر الکاذب الذی حذر النبی ﷺ من الاغترار به کما جاء عند مسلم عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال : لا یغرنکم الخ ...... وهذا الشفق الفلکی یکون علی درجة 18 وقد وضع علیه تقویم رابطة العالم الاسلامی و تقویم العجیری، اما تقویم

ام القری فقد وضع علی درجة 19ای مع تقدیم اربع الی خمس دقائق ، وقد وجدت دراسات فلکیة حدیثة لتحدید الدرجة الصحیحة لبدایة الفجر الصادق،والذی استقرت علیه الدراسات انه ما بین 14.5 الی 15 ای ان الفارق بینها وبین تقویم ام القری مابین 15الی 23 دقیقة بحسب فصول السنة ۔

ترجمہ :عالم اسلامی میں بہت سارے تقاویم (نقشے) جن میں ایک ’’تقویم ام القری‘‘ بھی ہے،ان میں درج نماز فجر کے وقت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں ’’شفق فلکی‘‘ کو وقت فجر قرار دیا گیا ہے۔جبکہ ’’شفق فلکی‘‘ حقیقت میں صبح کاذب ہی ہے جس سے دھوکہ کھانے سے نبی کریم ﷺ نے حدیث میں منع فرمایا ہے۔قال : لا یغرنکم الخ ـــــ اور یہ ’’شفق فلکی‘‘ جوکہ 18 درجے پر ظاہر ہوتی ہے،اوراسی پر رابطة العالم الاسلامی اور العجیری نے اوقات نماز کے نقشے مرتب کئے ہیں۔اور یہ جو’’ام القری‘‘ (مکہ مکرّمہ) کا نقشہ ہے،تو اس کو 4،5منٹ کا احتیاط جرتے ہوئے 19 درجے کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔اور میں نے صبح صادق کے صحیح وقت کی تعیین کے حوالے سے جدید علمی اور فنی ابحاث پڑھی ہیں۔صحیح اندازہ جس پر تحقیقاتی مجالس نے اتفاق کیا ہے وہ

ہے: 14.5 اور 15 درجے کے درمیان ۔یعنی (صبح صادق کے) صحیح وقت اور ''ام القریٰ'' کے نقشوں میں مندرج اوقات کے درمیان، سال کے مختلف موسموں کے اعتبار سے، 15 منٹ سے لیکر 23 منٹ ہے۔

﴿2﴾ الشیخ ڈاکٹر محمد تقی الدین بن عبد القادر الہلالی

(پروفیسر اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، سعودی عربیہ)

اپنی تحقیقی روئداد کو ذکر کرتے ہوئے اوقات نماز کا پورا پس منظر تحریر فرماتے ہیں:

قضيت شبابى و كهولتى وبعض شيوختى فى الشرق و لما رجعت الى المغرب بسبب الفتنة التى صارت فى العراق سنة (1379ه) اكتشفت بما لا مزيد عليه من البحث والتحقيق والمشاهده المتكررة من صحاح البصر وانا معه لانى كنت فى ذلك الوقت ابصر الفجر بدون التباس ان التوقيت المغربى لاذان الصبح لا يتفق مع التوقيت الشرعى ، وذلك ان الموذن يوذن قبل تبين الفجر تبينا شرعيا ، فاذانه فى ذلك الوقت لا يحل صلاة الصبح ولا يحرم طعاما على الصائم، وصرت افتى بذلك واعمل به الى يومنا هذا(الفجر الصادق وامتيازه عن الفجر الكاذب ص ١)

ترجمہ : میں نے اپنی جوانی اور بڑھاپے کا بعض حصہ مشرق

میں گزار کر جب 1379ھ میں عراق کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے مغرب آیا تو مجھے نہایت بحث وتحقیق اور میری موجودگی میں صحیح البصر لوگوں کے بار بار مشاہدات کے بعد یہ حقیقت یقین کے ساتھ واضح ہوگئی کہ صبح کی اذان کا وقت ''شرعی وقت'' کے مطابق نہیں ہے۔اور مؤذنین شرعی طور پر صبح صادق ظاہر ہونے سے پہلے اذان دینے لگ جاتے ہیں،لہٰذا اسی وقت میں مؤذن کی اذان سے نہ صبح کی نماز جائز ہوسکتی اور نہ روزہ رکھنے والے کیلئے (سحری کے طور پر) کھانا ناجائز ہوسکتا ہے۔پس میں نے اسی وقت سے اسی پر فتوی دیکر اس کے مطابق عمل شروع کیا جو آج تک اسی طرح جاری ہے۔

﴿3﴾ توقيت صلاة الصبح

(للشیخ عبدالمحسن العبیکان من شیوخ مکہ مکرمہ)

یہ مقالہ ریاض سے جاری ہونے والے جریدے " جـريـدة الريـاض " میں شائع کیا گیا ہے۔اس میں فجر کو لغوی، کتاب السنّت کے حوالے واضح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل عنوان قائم کیا گیا ہے: " آراء العلماء فی توقیت التقاویم والاذان الثانی قبل صلاة الفجر " اس عنوان کے تحت شیخ العبیکان نے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ،علامہ حافظ ابن حجرؒ اور شیخ القرافی کے اقوال اس حوالے سے ذکر کئے ہیں، کہ صبح صادق سے پہلے اذان دینا ایک بہت برا فعل اور نہایت قبیح عادت ہے جو اس زمانے

میں عام ہوگئی ہے۔اور مؤذنین اس پر مرتب ہونے والے نقصانات کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا اذان دیتے وقت نہایت احتیاط کرتے ہوئے یہ یقین کرنا چاہئے کہ وقت داخل ہو چکا ہے۔اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ونظير ذالك ما يحصل الان فى الوقت الحاضر ،فان معظم التقاويم تدخل وقت صلاة الفجر قبل الوقت الشرعى ،ومنها تقويم ام القرى (توقيت الصلوٰة ص٣،٤)

ترجمہ: موجودہ دور میں اس (یعنی وقت سے پہلے اذان دینے) کی مثال یہ ہے کہ (فن فلکیات پر اعتبار کرکے) بہت سارے نقشے ایسے ہیں جن میں نماز فجر کا وقت شرعی وقت سے پہلے داخل ہوجاتا ہے،جن میں سے ایک ’’مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والا دائمی نقشہ اوقات نماز‘‘ بھی ہے۔

اس کے بعد ’’تقویم ام القریٰ‘‘ کی تردید میں مندرجہ ذیل محققین کی آراء وتحقیقات نقل فرمائے ہیں:

﴿4﴾ قال الشيخ محمد رشيدرضاء :

و من مبالغة الخلف فى تحديد الظواهر طمع التفريط فى اصلاح الباطن من البر والتقوى،انهم حددوا اول الفجر وضبطوه بالدقائق وزادوا عليه فى الصيام امساك عشرين دقيقة قبله للاحتياط ،والواقع ان تبين بياض النهار لا يظهر

للناس الا بعده بعشرين دقيقة تقريباً تفسير المنار:184/2۔.......... (توقیت الصلوٰۃ ص ۳،٤)

ترجمہ :۔ ظاہر کی تحدید اور اصلاح باطن یعنی نیکی اور تقوی میں تفریط کرنے والے خلف کے مبالغہ میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے پہلی صبح کی تحدید کر کے اس کو منٹوں کے حساب سے درج کر دیا اور پھر رمضان میں احتیاط کے طور پر اس سے پہلے 20 منٹ بڑھا دئے، حالانکہ عام طور پر دن کی روشنی (یعنی صبح صادق) اس وقت سے تقریباً 20 منٹ بعد ظاہر ہوتی ہے، تفسیر منار 184/2

﴿5﴾ قال تقی الدین الھلالی :

اکتشف بما لامزید علیه من البحث و التحقیق ،والمشاھد المتکررة من صحیح البصر وانا معه۔ لانی کنت فی ذالك الوقت ابصر الفجر بدون التباس۔ان التوقیت لاذان الصبح لایتفق مع التوقیت الشرعی ،وذالك ان المؤذن یؤذن قبل تبین الفجر تبیانا شرعیا ، بیان الفجرالصادق وامتیازه ص ۲ ۔.......... (ایضاً ص ٤)

ترجمہ : ۔بحث و تحقیق ،اور میری موجودگی میں، کہ میں بغیر التباس کے مکملیقین کیساتھ صبح صادق دیکھ رہا تھا، صحیح البصر لوگوں کے بار بار مشاہدات کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی، کہ صبح کی اذان کا وقت

شرعی طور پر ظاہر ہونے والی صبح صادق کیساتھ قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔اور یہ کہ مؤذن شرعی طور پر ظاہر ہونے والی صبح صادق سے پہلے اذان دیتا ہے ۔

﴿6﴾ وقال الشیخ محمد بن عثیمین رحمه الله :

وبعض الاخوان خرجوا الى البر فوجدوا ان الفرق بين التوقيت الذى بايدى الناس وبين طلوع الفجر نحو ثلث ساعة ، فالمسئلة خطيرة جدا، ولهٰذا لا ينبغى لانسان فى صلاة الفجر ان يبادر فى اقامة الصلاة،والیتأ خر نحو ثلث ساعة او،٢٥،دقيقة حتى يتيقن ان الفجر قد حضر وقته:

شرح رياض الصالحين، ٢١٦/٣ .... (ایضاً ص ٥)

ترجمہ: ۔اور بعض احباب باہر میدان میں نکل کر یہ حقیقت معلوم کرگئے کہ عام طور پر لوگوں کے پاس جو اوقات نماز کے نقشے ہیں ،ان میں اور صحیح طلوع فجر کے درمیان ثلث الساعۃ (گھنٹے کا تیسرا حصہ یعنی 20 منٹ)فرق پایا جاتا ہے۔

﴿7﴾ وقال الشیخ الالبانی رحمه الله :

وقد رأيت ذالك بنفسى مرارا من دارى فى جبل هملان ۔ جنوب شرق عمان ۔، وو مكننى ذالك من التاكد من صحة ماذكره بعض الغيورين على تصحيح عبادة

المسلمين ان اذان الفجر فی بعض البلاد العربية يرفع قبل الفجر الصادق بزمن يتراوح بين العشرين و الثلاثين دقيقة....وما ذالك الا بسبب اعتمادهم على التو قيت الفلكی واعراضهم عن التوقيت الشرعی (ایضاً ص : ٤)

ترجمہ: اور میں نے جبل ہملان (جنوب شرق عمان) میں اپنے گھر سے خود اس (صبح صادق) کو کئی دفعہ دیکھا ہے۔اس سے مجھے اس بات کی صحت کی تاکید ہوگئی۔جس کو مجھے بعض غیور احباب نے مسلمانوں کی عبادت (صلوٰۃ الفجر) کی تصحیح کے طور پر کہا کہ عرب کے بعض بلاد میں صبح کی اذان صبح صادق سے تقریباً 20 ز ور 30 منٹ کے درمیان، پہلے دی جاتی ہے........اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے فن فلکیات کے نقشوں پر اتنا اعتماد کیا کہ اصلی اور شرعی صبح صادق سے اعراض کر گئے۔

﴿8﴾ **وقال الشيخ مصطفى العدوى :**

فی بعض البلاد العربية ،بل فی كثير منها يؤذن للفجر قبل تبين الفجر الثانی و هو الفجر الصادق..وقد راقبت ذالك فی قريتی بمصر فاذا بهذا الخيط الابيض (الفجر الصادق) يظهر بعد الاذان المثبت بالتقاويم بمدة تدور حول الثلث ساعة يواقيت الفلاة فی مواقيت الصلاة

ص 127. . . (ایضاً ص : ٥)

ترجمہ:۔عرب کے بعض بلاد میں بلکہ اکثر مقامات میں فجر ثانی یعنی صبح صادق سے پہلے اذانیں دی جاتی ہیں۔۔۔اور میں نے مملکتِ مصر میں اپنے گاؤں میں دیکھا ہے کہ خط ابیض (یعنی صبح صادق) پرانے نقشوں میں دئے گئے وقت پر اذان دینے سے تقریباً ثلث ساعۃ (گھنٹے کا تیسرا حصہ یعنی 20 منٹ) بعد میں طلوع ہوتی ہے۔

9 ایک علمی اور فقہی کانفرنس

’’ صبح صادق ‘‘ کے ظہور کا صحیح وقت کیا ہے؟ اس حوالے سے مملکت سعودیہ میں ملک عبدالعزیز (مفتی اعظم) کی اجازت سے ’’صبح صادق‘‘ پر تحقیق کے حوالے سے ایک فقہی کانفرنس منعقد کیگئیتھی جس کا:

چیئرمین آف کانفرنس

الشیخ ڈاکٹر، زکی بن عبد الرحمن المصطفی

شرکاء کانفرنس

١ـ ایمن بن سعید کردی .... (ماہر علم الفلکیات، المساعد)

٢ـعبد العزیز بن سلطان المرمش

(ماہر فلکیات، اکیڈمی آف فن فلکیات اور جیوفزکس)

٣ ـمعتز بن نائل کردی.ـ...... (ماہر فلکیات اکیڈمی آف فن فلکیات اور جیوفزکس)

٤ـ الشیخ دـسعد بن ترکی الخثلان ... (قائم مقام رئیس ادارۃ التحقیق والافتاء)

٥ـ الشیخ محمد بن سعد الخرجی

(رئیس کتابۃ عدل الاولی بالریاض، ممثل وزارۃ العدل).

٦ ـ الشیخ عبد الرحمن بن غنام الغنام

(وکیل وزارت معاون لامور الدعوۃ والارشاد، ونائب وزارت مذہبی امور)

٧ـ صالح بن عثمان .... (متعاون)

اسی فقہی اور تحقیقی مجلس کے بارے میں الشیخ عدنان العرعور تحریر فرماتے ہیں:

وقد شارك فی هذا البحث افاضل من علماء الدين

والفلك ....(توقیت الصلوٰۃ الصبح للعبیکان ص8)

ترجمہ: اس فقہی مجلس میں علماء دین اور ماہرین فلکیات نے شرکت فرمائی۔

اس فقہی کانفرنس کا ریسرچ طریقہ کار اس طرح وضع کیا گیا تھا کہ ''ریاض'' شہر سے باہر کھلے صحراء میں میلوں کے فاصلے پر روشنیوں کے اثرات سے دور مشاہدات کیلئے کمیٹیاں

تشکیل دی گئی تھی، جنھوں نے پورے سال ہر مہینے کے چند دن مشاہدات کر دئے جس کا خلاصہ اور نتائج مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کر رہے ہیں:

ثم ذکروا الخلاصة ، فقالوا : من خلال الرصد المیدانی لمدة عام کامل لتحدید بدایة الفجر الصادق (الشفق الشرعی) فی منطقة الرصد تبین انه ینضبط باستخدام المعیار الفلکی عندما تکون الشفق تحت الافق بمقدار 4.6 درجة قوسیة وانحراف معیاری بمقدار 0,3 درجة قوسیة ۔قلت : یعنی قرابة 21 دقیقة عن تقویم ام القری،تزیدقلیلاً او ینقص۔وقد اکدت اللجنة انها لم تجد اساسا مکتوباً لتقویم ام القری،بعد البحث والاستسقاء ....(توقیت الصلوٰة الصبح للعبیکان ص8)

ترجمہ:۔ پھرانہوں نے خلاصہ یوں بیان کیا : صبح صادق یعنی شفق شرعی کے ظہور کے اندازے کیلئے پورا سال میدانی مشاہدات کے دوران یہ واضح ہوگیا کہ فن فلکیات کی رو سے صبح صادق اس وقت طلوع ہوتی ہے جبکہ سورج ،افق سے 14,6 درجے نیچے ہو جبکہ انحراف معیاری 0,3 درجے ہو۔میں (شیخ العبیکان) کہتا ہوں ،اس کا مطلب یہ ہے کہ (صبح صادق) تقریباً 21 منٹ کم وبیش ام قری کی تقویم کے وقت کے بعد طلوع ہوتی ہے۔اور

کانفرنس نے یہ کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ''تقویم ام القریٰ'' کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔

'' مسئلۃ تقدیم وقت اذان الفجر، وتأخیر توقیت العشاء ''

﴿ للشیخ عدنان العرعور ﴾

شیخ عدنان العرعور نے صلوٰۃ الفجر کے صحیح وقت ''صبح صادق'' کے حوالے سے کافی تحقیق کے بعد ایک تحریر بنام '' مسئلۃ تقدیم وقت اذان الفجر، وتأخیر توقیت العشاء'' لکھی ہے جس سے ضروری اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں: شیخ تحریر فرماتے ہیں:

لقد تتبعت هذه المسألة منذ اكثر من خمس وعشرين سنة وتبيّن لی.... التقاويم وضعت علی وقت الفجرالكاذب.........(ص ۳)

ترجمہ: میں اس مسئلے میں 25 سال سے غور وفکر کر رہا ہوں حتیٰ کہ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ۔۔۔۔۔۔اوقات نماز کے موجودہ نقشے صبح کاذب کی بنیاد پر مرتب کئے گئے ہیں۔

آگے پرانے نقشوں کے مرتبین کے بارے میں لکھتے ہیں:

والمشكلة نشأت من ان معظم الفلكيين والخبراء الجغرا فيين والعسكريين لايفرقون بين الفجرين ،لان هذا لا يهمهم ،ولانهم يرون ان اول ضوء هو الفجر عندهم ،

فذالك وضعو ا التقاويم بناء علی ذالك (ص ۳)

ترجمہ:۔ورمشکل یہ ہے کہ اکثر ماہرین فلکیات،جغرافیہ اورعسکریین فجرین (صبح صادق اور صبح کاذب)میں فرق نہیں کرسکتے،کیونکہ یہ لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے۔اور دوسری بات یہ کہ یہ لوگ (رات کے اخیر میں) ظاہر ہونے والی پہلی روشنی کو فجر کہتے ہیں،تو انہوں نے اسی بنیاد پر نقشے مرتب کئے۔

پرانے نقشوں کی غلطی اور شرعی طور پر درست اور صحیح وقت فجر کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما فی الشرع ؛ فا لضوء الاول هو الفجر الكاذب ، و من هـناوقع الخطأ، و كان مقداره مقدار ما بين الفجرين ،وهو عشـرون دقيـقة، و تـزيدثلاثة دقائق او تنقص حسب طول اليل و النهار............. (ص ۳)

ترجمہ:۔جبکہ شریعت میں ،پہلی ظاہر ہونے والی روشنی صبح کاذب کہلاتی ہے،لہٰذا یہاں آکر (فجر کی تعیین میں) غلطی ہوگئی۔اور فجرین(صبح کاذب اور صبح صادق) کے درمیان وقفہ،دن رات کے دورانیہ میں تفاوت کی وجہ سے،کم وبیش 20 منٹ ہوتا ہے۔

اوراپنے اس دعوے پر دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل تجربات نقل کرتے ہیں:

و قـد قـامت عدة مشاهدات و شهادات من فضلاء،وتمت عـدة دراسـات تبيـن بـالدليل العلمى ،والرواية الواقعية،ان مـعـظـم التقاويم و منها تقويم ام القرى ،قد وقعت فى هذا

الخطأ ،اذ وقت الفجر فیها علی الکاذب۔ (ص ۳)

ترجمہ:۔اوراس حوالے سے بار بار مشاہدات کرائے گئے،اورعلمی بحث و تمحیص پر مشتمل بہت سارے فقہی مجالس اس موضوع پر منعقد کئے گئے، کہ اوقات نماز کے بہت سارے نقشے جن میں سے ایک ’’تقویم ام القری‘‘(مکہ مکرمہ کا نقشہ اوقات) بھی ہے، میں یہ غلطی ہوگئی ہے کہ اس میں نماز فجر کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے۔

شیخ عدنان العرعور نے صرف اپنی تحقیق اور فیصلے پر اکتفاءنہیں کیا بلکہ علماءعرب میں سے بہت سارے محققین جنہوں نے اس غلطی کو محسوس کیا،ان کی مختصراً تفصیل کیساتھ تذکرہ ضروری سمجھ کرنقل کر دیا، ذیل میں ملاحظہ ہو:

﴿9﴾ علماءومشائخ سعودیہ:

علماءعرب مملکت سعودیہ میں سے شیخ عمر بن عبدالعزیز العثمان، د سعید بن زعیر، عبد المحصن العبیکان، عبدالعزیز السدحان، سلیمان الدھمان، عبداللہ السلطان وغیرہ شیوخ کے بارے میں لکھتے ہیں :

قام اخوة شیوخ فضلاء من طلبة العلم فی السعودیة ،باستطلاع الفجر،فی اکثر من مجموع اکثر من مرة،وتبین لھم صحة ماذکرنا ....(ص ۵)

ترجمہ: علماءعرب،سعودیہ، میں سے بہت سے فضلاء نے کئی دفعہ فجر صادق کی تحقیق کی نتیجۃ ان کو وہی بات درست ثابت ہوئی جو اوپر ہم نے بیان کیا۔

﴿10﴾ **علماء سوڈان : کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:**

قام اخوة من انصار السنة فی السودان اباستطلاع الفجر ،وکنت معھم ، و تبین لھم صحة ما ذکرنا۔(ص ٥)

ترجمہ:۔سوڈان میں انصار السنۃ کے ساتھیوں نے بھی وقتِ فجر کے حوالے سے تحقیق کی ،میں بھی ان کے ساتھ تھا،تو ان کو بھی وہی حقیقت سامنے آئی جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

﴿11﴾ **علماء مصر : کے بارے میں رقمطراز ہیں:**

شھادة من شیوخ مصر : قد صدرت فتوی من شیخ الازھر توافق قریباً مما ذکرنا ،وصرح الشیخ محمد حسان والشیخ مصطفی العدوی بمثل ما ذکرنا ،وقال الشیخ العدوی :" وقد راقبت ذالك بقریتی بمصر فاذا بھذا الخط الابیض (الفجر الصادق)یظھر بعد الأذان المثبت فی التقاویم بمدة تدور حول الثلث ساعة ۔........(ص ٦)

ترجمہ:۔شیوخ مصر کا حوالہ یہ ہے کہ: جامعہ ازہر کے شیخ (مفتی) نے جوفتوی دیا ہے وہ ہمارے موقف سے قریب تر ہے۔اور الشیخ محمد حسان اور الشیخ مصطفیٰ العدوی نے تو صراحت کیساتھ وہی بات بیان کی جو ہم نے کہا ہے۔مثلاً الشیخ العدوی ہی تحریر فرماتے ہیں میں نے اپنے گاؤں صبح صادق کا مشاہدہ کیا تو معلوم ہوا کہ صحیح خط

ابیض (صبح صادق) تقاویم کے مطابق دی گئی اذان سے ثلث

الساعۃ (گھنٹے کا تیسرا یعنی 20 منٹ) تاخیر سے ظاہر ہوگئی۔

مذکورہ بالا شواہد کے علاوہ الشیخ عدنان العرعور صاحب نے مزید ایسے محققین کی طرف سے چند تحریرات کے حوالے دیکر لکھا ہے کہ پرانے نقشوں کے ابطال کے حوالے سے ان حضرات نے مستقل تصنیفات تحریر کئے ہیں۔ چند اقتباسات کو قارئین کیلئے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

﴿12﴾ الدکتور سلیمان بن ابراھیم الثنیان

الاولی : قام الدکتور سلیمان بن ابراھیم الثنیان ببحث بعنوان " اوقات الصلوات المفروضة " ،وقد ذکر فیه انه قام برصد الفجر لعام کامل ،وان وقت الفجر حسب تقویم ام القری، متقدم عن التقویت الشرعی للفجر ما بین 15 دقیقة الی 24دقیقة حسب فصول السنة...(ص ٦)

ترجمہ:۔ اول یہ کہ ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم الثنیان نے بعنوان ’’اوقات الصلوٰۃ المفروضۃ‘‘ ایک تحریر لکھتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ ’’ام القریٰ‘‘ کے نقشے میں صبح صادق کا دیا گیا وقت شرعی صبح صادق سے 15 سے 24 منٹ کے، پورے سال کے حساب سے، پہلے ہے۔

13 الشيخ عبد الله بن ابراهيم التركى

الثانية : قام الباحث الشيخ عبد الله بن ابراهيم التركى ببحث اثبت فيه التفاوت بين الواقع و تقويم ام القرى فى وقت الفجر، وكان يشهد الشهود على طلعاته و مشاهداته۔.........................(ص ٦)

ترجمہ:۔ دوسرا یہ کہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم ترکی نے بھی اپنی تحقیق میں ''ام قریٰ'' کے نقشے میں وقت فجر کا کافی فرق ثابت کیا ہے۔ اوراس مقصد کیلئے شیخ نے متعدد مشاہدات کئے ہیں

خلاصہ کلام:

(۱) یہ ہوا کہ چونکہ پرانے نقشے، محققین علماء کی طرف سے نہیں بلکہ، ویسے بغیر پرکھ کے ان دیکھے عملی طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔لہٰذا اس کو جمہور کا عمل قرار دیکر اس کی مخالفت کو مطلقاً ناجائز سمجھنا قطعاً اصولِ تحقیق کے خلاف ہے۔پھر خصوصاً جب اس کے برعکس محققین علماء کی ایک کثیر تعداد ان نقشوں میں غلطی کے قائل ہوں، اوران محققین کی طرف سے یہ فیصلہ کوئی جزباتی یا مبنی بر تعصب نہ بلکہ ان میں اکثریت نے ذاتی طور پر تجربات و مشاہدات کرکے یہ نتائج اخذ کئے ہیں جن کے تفصیلی حوالجات اوپر گزر چکے ہیں، اور پھر خصوصاً علماء عرب اور شیوخ حضرات نے یہ فیصلہ بحث وتمحیص پر مشتمل فقہی مجالس اور کانفرنسوں میں شرعی اصول وقواعد کو مدنظر رکھ کر ایک طویل طریقہ کار (process)

سے گزرتے ہوئے کافی غور وحوض کے بعد کیا ہے۔اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس کو تفرد اور پرانے نقشے کو جمہور کا معمول بہ قرار دے،تو یہ بات حقانیت سے کوسوں دور ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ ظاہری طور پر کسی چیز کی شہرت اس کی صحت اور اصلیت پر دلالت ہرگز نہیں کرتی۔کیونکہ احتمالِ خطاء ہر جگہ موجود ہے۔علامہ شامی نے فقہاء احناف کے بڑے بڑے مضبوط اور قد آور شخصیات کی طرف سے وقوع خطاء کا تذکرہ فرما کر ان لوگوں کو سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ فتویٰ دینے کی جسارت کریں گے تو ان پر لازم ہے کوئی بھی مسئلہ ہو اصل مآخذ سے نقل کرنا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ایک غلطی کسی بھی صورت میں کہیں سے بھی جب نکل پڑتی ہے تو پھر صدیوں کو پار کرنے سے پہلے وہ رکتی نہیں۔گویا محققین اور اہل علم حضرات کا قول وعمل چونکہ قابل اقتداء ہوتے ہیں لہٰذا ان حضرات کو مسائل کے میدان میں انتہائی احتیاط اور حد درجہ بیداری سے کام لیکر چلنا چاہیئے ورنہ ان کی ایک لغزش مسلمانوں کی عملی بربادی کا سامان بن سکتی ہے۔لہٰذا اس اصول کو مدنظر رکھ کر کسی نے فریقین (قائلین 18 درجے اور قائلین 15 درجے) کے دلائل،استنباط واستدلال اور محققین کی آراء کا منصفانہ جائزہ لیا ہے؟؟؟

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

شوکت علی قاسمی 0321-9890583

Email: shaukatswabien@yahoo.com

مراجع ومصادر

تفاسير القرآن الكريم

قرآن کریم

تفسیر خازن،لباب التاویل فی معانی التنزیل،الخازن ،ابو الحسن علی بن محمد بن ابراهیم بن عمر الشیحی

ابن کثیرؒ حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر(مترجم مولانامحمدجونا گڑھی) مکتبه قدوسیه ،لاهور ،٢٠٠٦ء

معارف القرآن،مفتی محمد شفیع،طبع جدید مارچ ٢٠٠٥ء، ادارة المعارف کراچی ١٤

تفسیر البغوی "معالم التنزیل"للامام محیی السنة ابی محمد الحسین بن مسعود البغوی(م٥١٦ه) دارطیبة للنشر والتوضیع،الریاض،طبع ١٤٠٩ه

تفسیر المنار، تفسیر القرآن الحکیم للسیدمحمد رشید رضا منشی المنار،الافادات للاستاذ الامام الشیخ محمد عبده،دار المنار ١٤ شارع الانشاء بالقاهرة،الطبعة الثانیة ١٣٦٦ / ١٩٤٧ء

الکشاف،الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوه التأ ویل ، علامه جارالله ابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری(م ٤٦٧ تا ٥٣٨ ه)مکتبة العبیکان ،ریاض،المملکة السعودیة،الطبعة الاولی ١٤١٨هج /١٩٩٨م

روح المعانیروح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،للعلامه الآلوسی

البغدادی(م ۱۲۱۷ھ)،دارالاحیاء التراث العربی بیروت،

حدائق الروح والریحانتفسیر حدائق الروح والریحان فی روابی علوم القرآن،للشیخ حمد الامین بن عبد اللہ الارمی العلوی الھرری الشافعی،دارطوق النجاۃ ،بیروت۔لبنان ،الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۱ھ /۲۰۰۱ء

احادیث و شروحات حدیث

صحیح البخاری، لابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:)قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی نمبر۱

مسلم ، الصحیح لمسلم،للامام ابی الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ، (م:۲۶۱ھ)ناشر: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی نمبر۱

نسائی، سنن النسائی لابی عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی الشھیر بالنسائی (۲۱۵ - ۳۰۳ھ)مکتبہ دار القرآن والحدیث ملتان

ابودؤد،سنن ابی داؤد للامام سلیمان ابن اشعث ابی داؤد السجستانی ،مکتبہ اکرمیہ ،محلہ جنگی پشاور

ترمذی،جامع الترمذی مع العرف الشذی لمحمد بن عیسیٰ الترمذی،مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور

ابن ماجہ ،لابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی الشھیر بابن مانہ(م:۲۰۹أ۲۷۳ھ) مکتبہ اکرمیہ ،محلہ جنگی پشاور

صحیح ابن حزیمہ،لامام الائمۃ ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی النیسابوری (۲۲۳ھ تا ۳۱۱ رحمہ اللہ

السنن الکبری للبیھق،للامام ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیھقی (م ۴۵۸ھ) ،دارالکتب العلمیہ بیروت۔لبنان

كنز العمال في سنن الاقوال و الافعال،للعلامه علاء الدين على المتقى بن حسام الدين الهندى البرهان فورى المتوفى ۹۷۵ھ ،موسسة الرساله
جامع الاحاديث للسيوطى،للحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطى(م:۹۱۱ھ) دارالفكر للطباعة والنشر والتوضيع
اعلاء السنن ،عثمانى،علامه ظفر احمد عثمانى،ادارة القرآن،كراچى
فتح الباری ,لأبى الفضل أحمد بن على بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانى 852 ھ،دار الفكر ، مصور عن الطبعة السلفية
تحفة الأحوذى بشرح جامع الترمذى ,لأبى العلاء محمد بن عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفورى (المتوفى 1353 :هـ,المكتبة السلفية ، المدينة المنورة الطبعة الثانية 1383هـ 1963 -م
عمدة القارى شرح صحيح البخارى,لبدر الدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى 855- هـ
معارف السنن شرح سنن ترمذى،للبنوریؒ(م ۱۳۹۷ھ)جامعه بنوریه
مرقاة شرح مشكوٰة المصابيح، ج ۲ ،مكتبه امداديه
العرف الشذى للكاشميریؒ،

كتب الفقه

رد المحتارعلى الدرالمختار شرح تنويرالابصار ،لمحمد امين ابن عابدين، دار عالم الكتاب،الرياض
بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،علاؤ الدين ابو بكر بن مسعود الكاسانى

الحنفى(م٥٥٨٧ه) دارالكتب بيروت ،لبنان،ط دوم ٦ سنه ١٤٠ه

الفتاوىٰ الهنديه ،للشيخ نظام و جماعة من علماء الهند،المكتبة الحقانيه ،محله جنگى ،پشاور

حاشية على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح ,لأحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوى الحنفى(؟ 1231-هـ الناشر :المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق، مصر ,سنة النشر 1318 :هـ

الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى ,لاحمد بن غنيم بن سالم النفراوى (1126-هـ) الناشر :دار الفكر ، بيروت ، لبنان سنة النشر 1415 :هـ

:**الذخيرة** ,لشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافى ,الناشر :دار الغرب، بيروت، لبنان . سنة النشر 1994م

تحفة المحتاج فى شرح المنهاج،للهيتمى دارلكتب بيروت ،الطبعة الاولىٰ ١٤٠٠

حاشية العدوى على شرح كفاية الطالب الربانى ,لعلى الصعيدى العدوى المالكى , الناشر :دار الفكر، بيروت ، لبنان ,سنة النشر 1412 :هـ

مواهب الجليل لشرح مختصر خليل ,لشمس الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسى المغربى ، المعروف بالحطاب الرُّعينى (902-954)هـ سنة النشر 1398 :هـ

المجموع شرح المهذب ,للإمام أبوزكريا محى الدين بن شرف النووى (676 هـ) دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع

الإقناع فى فقه الإمام أحمد بن حنبل ,لشرف الدين موسى بن أحمد بن موسى أبو النجا الحجاوى (المتوفى 960 :هـ)الناشر :دار المعرفة بيروت لبنان

كشاف القناع عن متن الإقناع ,لمَنْصُورُ بْنُ يُونُسَ بنِ صَلَاحِ الدِّينِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ

أَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ إِدْرِيسَ الْبُهُوتِيُّ الْحَنْبَلِي(1051-1000)
الناشر :دار الفكر، بيروت، لبنان ,سنة النشر 1402هـ

دليل الطالب على مذهب الإمام المبجل أحمد بن حنبل ,لمرعى بن يوسف الكرمى الحنبلى 1033-هـ، المكتب الإسلامى ، بيروت، لبنان .

احسن الفتاوى،مولانا مفتی رشیداحمدؒ،ایچ ایم سعید کمپنی،پاکستان چوک ، کراچی

فتاویٰ فریدیه ،مفتی محمد فرید ،جامعه دارالعلوم صدیقیه ،زروبئی ،صوابی

شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح فى أصول الفقه,لسعد الدين مسعود بن عمر التفتازانى الشافعى (المتوفى 793 :هـالناشر :دار الكتب العلمية بيروت لبنان ,الطبعة الأولى 1416هـ 1996 -مـ

أصول البزدوى,كنز الوصول الى معرفة الأصول,لعلى بن محمد البزدوى الحنفى (382-هـ) مطبعة جاويد بريس، كراتشى،باكستان .

لغات

مفردات القرآن لامام راغب اصفهانی،ناشر:اهل حدیث اکادمی لاهور

المورد (AL-MAWRID)،للدكتور روحى البعلبكى،دارالعلم للملايين، بيروت ـ بنان،طبع: ساتواں ایڈیشن :۱۹۹۵

المعجم الوسيط ,لإبراهيم مصطفى ـ أحمد الزيات ـ حامد عبد القادر ـ محمد النجار ,دار الدعوة

لسان العرب ,لمحمد بن مكرم بن منظور الأفريقى المصرى,دار صادر -بيروت

فنی کتب

التصریح، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

شرح چغمینی، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

صبح صادق وصبح کاذب، عبداللطیف بن عبدالعزیز، مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل پاکستان چوک، کراچی، طبع اول ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء

فہم الفلکیات، سید شبیر احمد کاکاخیل، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ

صبح صادق، صبح صادق (احسن الفتاویٰ جلد دہم)، مفتی رشید احمد، ایچ ایم سعید کراچی،

الفجر الصادق وامتیازہ عن الفجر الکاذب، الشیخ تقی الدین الہلالی، المکتبۃ الشاملہ

خطأ أکثر التقاویم لوقت صلاۃ الفجر، الشیخ محمد بن احمد الترکی، انٹرنیٹ

برطانیہ میں طلوع آفتاب، زوال، پنج وقتہ نماز وروزہ اوقات کیلینڈر اور قبلہ گائیڈ، ناشر حزب العلماء یوکے، برطانیہ

برطانیہ میں نمازوں کے اوقات، عشاء وفجر کے مشاہدات اور رصدگاہی ڈگریاں ودرجات، ناشر حزب العلماء یوکے، برطانیہ

برطانیہ اور اعلیٰ عروض البلاد میں صبح صادق اور صبح کاذب کی تحقیق، مولانا محمد اسماعیل، برطانیہ

صبح صادق وصبح کاذب، پروفیسر عبداللطیف، مکتبہ خالد، ناظم آباد کراچی

فجر وعشاء اور برطانیہ میں نماز روزہ اوقات وقبلہ کیلنڈر، مولوی یعقوب احمد مفتاحی، ناشر: حزب العلماء یوکے، طبع اول: محرم ۱۴۲۸ھ / جنوری ۲۰۰۷ء صفحہ نمبر ۳،۴)

ویب سائٹ: www.moonsight.com

دیگر کتب

بصائر حکیم الامت، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۴۔